# تکمیل الایمان

امام المحدثین
حضرت شیخ عبدالحق
محدث دہلوی

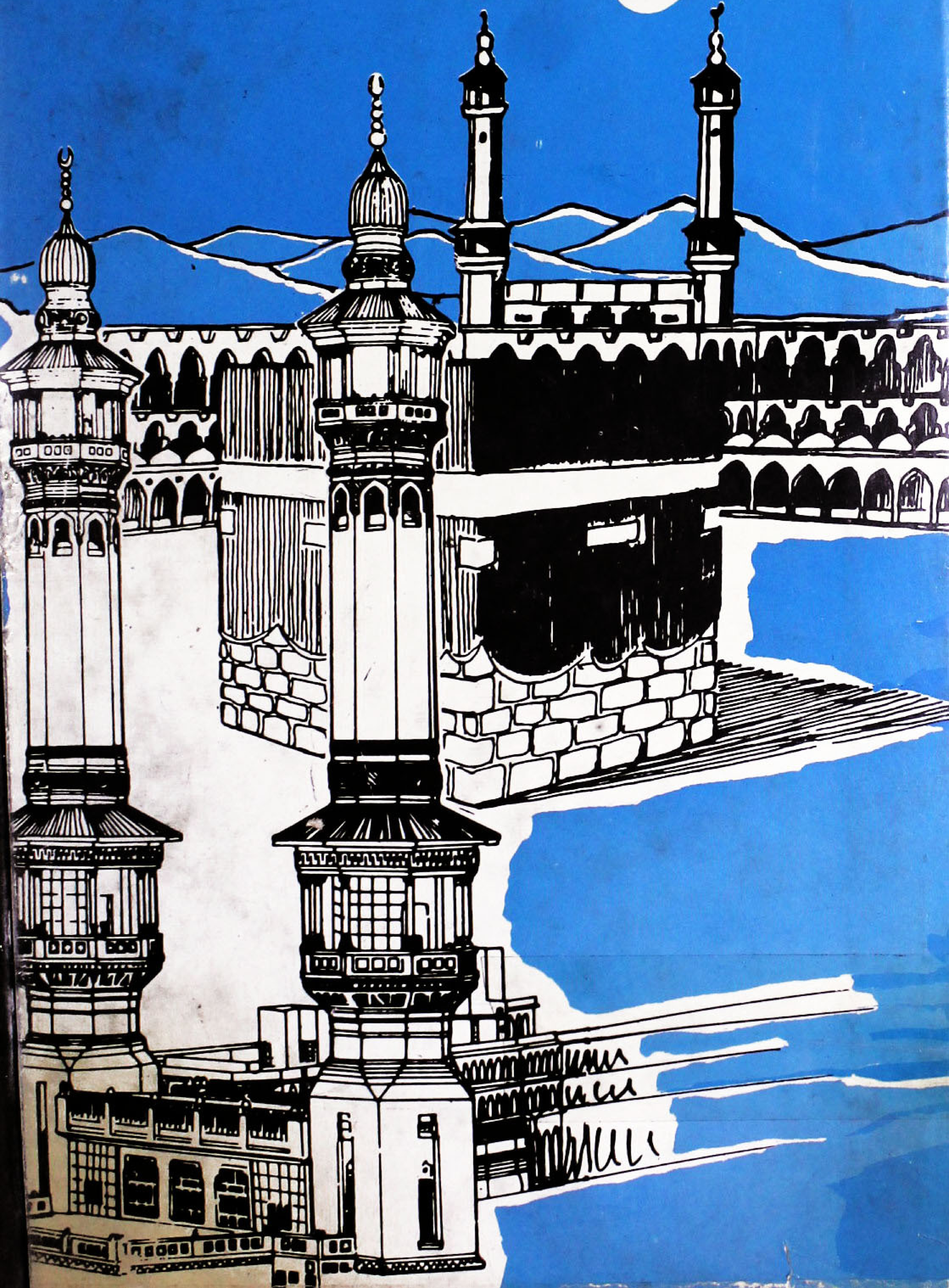

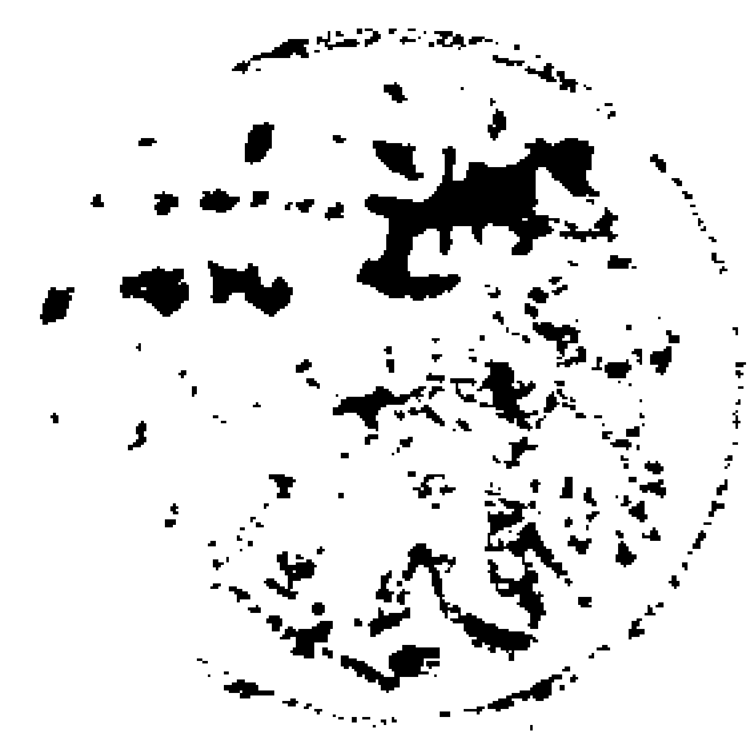

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ

# نور العقائد

ترجمہ اردو

## تکمیل الایمان

از

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ

ترجمہ اردو

مولانا مولوی محمد مشتاق احمد صاحب چشتی

باہتمام

شیخ عبد الحق محدث اکاڈمی

۲۶۸۴ گلی مسجد کالے خاں کوچہ چیلان دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

فون گھر ۳۲۷۶۰۶۶ - فون آفس ۳۲۶۸۴۸۲

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

135445

سن اشاعت ________ ۱۹۹۴ء
تعداد ________ پانچسو
مطبوعہ ________ جے، کے، آفسٹ پرنٹرز، دہلی
قیمت ________ /- روپے
کتابت ________ واجد علیخاں

ملنے کا پتہ
شیخ عبدالحق محدث اکاڈمی
۲۶۸۴ گلی مسجد کالے خاں کوچہ چیلان دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
فون گھر ۳۲۷۶۰۷۷ فون آفس ۳۲۶۸۴۸۲

# مقدمہ

بائیس خواجہ کی چوکھٹ دلّی کے جنوبی کنارے مقدس اور نورانی حصّہ میں جسے عوام الناس قطبؒ صاحب اور مہرولی کے ناموں سے جانتے اور پکارتے ہیں خواجہ خواجگان حضرت شیخ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے خلیفہ اعظم قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور دیگر سینکڑوں اولیاء کرام آرام فرمارہے ہیں درگاہ حضرت قطب الاقطابؒ سے تھوڑے فاصلہ پر اولیا مسجد سے متصل حوض شمسی کے شمال میں ایک بلند چہار دیواری اور اس کے درمیان ایک بڑا سا گنبد واقع ہے۔ اس گنبد کے نیچے شیخ اولیا، عالم ربانی، شیخ العصر فخرالعلماء اور شمالی ہندوستان کے پہلے محدث حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ ترکی بخاری حنفی قادری دہلویؒ آرام فرمارہے ہیں۔ مزار مبارک کے سرہانے دیوار پر ایک لوح نصب ہے جسے حضرت شیخ نورالحقؒ نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ محدثؒ کی وصیت کے مطابق نصب کیا اور ان کے مختصر حالات زندگی فارسی میں کندہ کرائے جس کا ترجمہ اس طرح ہے۔

ابوالمجد عبدالحقؒ۔ اللہ تعالیٰ کی تمام تر نعمتیں ان پر ہوں۔ اپنے دور کے شیخ وقت مقتدائے زماں (زمانہ کے رہبر) اور بلندیوں کے مالک تھے۔ ان کے مختصر حالات یہ ہیں کہ اپنے ہوش کی ابتدا سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حصول علم کے لیے سربستہ رہے جب عہد جوانی کے قریب پہنچے تو دین کے زیادہ تر علوم پر دسترس حاصل کرلی تھی۔ بائیسؒ

سال کی عمر میں ان سب سے فراغت پانے کے بعد کلام پاک حفظ کیا اور سلسلہ درس و تدریس شروع کیا۔ آغاز جوانی ہی میں شوق الٰہی آپ کے اندر گھر کر چکا تھا۔ اچانک دوست احباب اور وطن سے دل بیزار ہوا اور حرمین شریفین کی راہ لی۔ خاص مدت تک ان متبرک مقامات میں رہ کر زمانہ کے قطب[1] اور بڑے بڑے اولیاء کی صحبت میں رہے۔ چلتے وقت آپ کو تصوف و طریقت و معرفت کے طالبوں کی تلقین کی خصوصیت بھی حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ فن حدیث پر عبور حاصل کرنے کے بعد بڑی برکات کے ساتھ اپنے وطن واپس تشریف لائے اور باون (۵۲) سال تک ظاہر و باطن کی یکسوئی کے ساتھ یہاں مقیم رہ کر اپنے بچوں اور طالبان کی تربیت کی۔ علم سیما اور علم حدیث کی اشاعت میں مصروف ہوئے اور ایک ممتاز و منفرد مقام حاصل کیا۔ یہاں تک کہ عجم کے اولین اور متاخرین علماء میں سے کوئی بھی ان کا ثانی نہ تھا۔ فنون علمی خاص طور پر فن حدیث پر بڑی معتبر کتابیں لکھیں۔ چنانچہ زمانہ کے علماء نے آپ کی تصنیفات کا بغور مطالعہ کیا اور ان کو اپنا دستور العمل بنایا۔ خواص و عوام میں علم دوست لوگ آپ کی تصنیفات کو حاصل کرتے ہیں۔ اس عالی نسب اور فیض بخش شخصیت کی بڑی چھوٹی تصنیفات تقریباً سنو[2] ہیں۔ اور سطور کا شمار پانچ لاکھ ہے۔ ماہ محرم

---

[1] حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رح

[2] پروفیسر خلیق نظامی صاحب نے "حیات شیخ" میں شیخ رح کی تصنیفات کی کل تعداد ساٹھ تحریر فرمائی ہے۔ ان میں ایک تصنیف المکاتیب و رسائل بھی شامل ہے جو اڑسٹھ (۶۸) رسالوں کا مجموعہ ہے۔ زاد المتقین کے مصنف نے بھی یہی تعداد بیان کی ہے اور سطروں کی تعداد چھ لاکھ سے زائد بیان کی ہے۔

۹۵۸ھ میں آپ کے ظہور پر نور کا سایہ اس دنیا پر پڑا اور
۱۰۵۲ھ میں پوری آگاہی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ آپ اس
دنیا سے رخصت ہوئے تاریخ ولادت شیخ اولیا ۹۵۸ھ اور تاریخ
رحلت ۱۰۵۲ھ فخرالعالم ہے۔[1]

حضرت شیخ رح کا اچانک دوست احباب اور وطن سے دل بیزار کیوں ہوا؟ پروفیسر خلیق نظامی صاحب حیات شیخ عبدالحق محدث میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

آخر وہ ہندوستان میں اپنے آپ کو بے خانماں کیوں سمجھتے تھے اور وحشت جس کا ذکر انھوں نے زادالمتقین میں کیا ہے ان کو ہندوستان میں کیوں محسوس ہونے لگی تھی؟ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رح کی خدمت میں انہوں نے اس وحشت کا ذکر اس طرح بیان کیا:

یا سیدی! میں وہ شخص ہوں جو بچپن سے ہی تحصیل علم اور عبادت گذاری کی محنت و ریاضت میں پلا ہوں۔ میں کبھی عام لوگوں کی صحبت اور میل جول کو خاطر میں نہ لایا اور جب اللہ کے کرم سے مجھے (علم کا) اچھا خاصہ حصّہ مل گیا اور میں نے اپنی ضروریات یہاں کی چیزوں سے پوری کرلیں تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیادار لوگوں کی طرف بلایا۔ چنانچہ میں بادشاہ وقت اور امراء کے پاس گیا۔ انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی میرا رتبہ بلند کیا اور یہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ کمزور سے اپنی طاقت مضبوط کریں۔ بس اللہ نے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا۔ اپنے بندہ کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے اس مقام شریف تک پہنچایا۔[2]

---

[1] مترجم عبارت لوح۔ جناب فیض العمر صاحب ایم۔اے (دہلی)
[2] پروفیسر خلیق نظامی، حیات شیخ عبدالحق صہ ۹۲-۹۱

حضرت شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے اپنے علم حدیث کا وہ بیش بہا حصّہ حضرت شیخؒ کو عطا فرمایا جس کی شہرت سے مصر و عرب کے حلقہ گونج رہے تھے۔ حضرت شیخؒ خود فرماتے ہیں:

تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ علماء کرام سے حاصل کیے۔ خصوصاً حضرت متقیؒ سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کی خدمت میں سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں اور حصول انوار و برکات و ترقی درجات اور علوم دینی کی نشر و اشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف کو واپس[1] ہوا۔

حدیث، فقہ حنفی، تصوف، حقوق العباد ان چار چیزوں کی اعلیٰ تعلیم حضرت شیخ نے حقیقت میں شیخ متقیؒ کے قدموں میں ہی حاصل[2] کی۔ حضرت شیخ کی دلی تمنّا تھی کہ وہ حرمین شریفین میں ہی مقیم رہیں اور ہندوستان واپس نہ جائیں۔ مگر حضرت شیخ متقیؒ کا اصرار تھا کہ وہ ہندوستان واپس جائیں۔ حضرت شیخ نے عذر پیش کیے۔ مگر قبول نہ ہوئے۔ پھر براہ بغداد شریف ہندوستان واپس جانے کی اجازت چاہی، مگر اجازت نہ ملی اور فرمایا:

اب تمہارے لیے بہتر ہے کہ وطن جاؤ جن لوگوں کے تم پر حقوق ہیں ان کو اپنے دیدار سے مسرور کرو کہ یہ بھی عبادت ہے۔[3]

شیخ نے سر خم تسلیم کیا۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت

---

[1] حیات شیخ عبدالحقؒ صـ ۱۱۰

[2] " " " صـ ۱۱۱

[3] " " " صـ ۱۲۳

شیخ متقیؒ نے اپنی بصیرت اور دور نظری سے یہ جان لیا تھا کہ ان کا ہونہار شاگرد ہندوستان کے گمراہ اور بے دین ماحول اور باطل کے اندھیرے میں حق کی روشنی پھیلانے کی سعادت حاصل کرے گا۔

جب شیخؒ (۱۰۰۰ھ) میں ہندوستان واپس آئے اس وقت اکبر کے غیر متعین افکار نے دین الہٰی کی شکل اختیار کر لی تھی اور ملک کا سارا دینی ماحول خراب ہو چکا تھا۔ شریعت و سنت سے بےاعتنائی عام ہوگئی تھی ۔ دربار میں اسلامی شعار کی کھلم کھلا تضحیک کی جاتی تھی بادشاہ کی بے راہ روی نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا حد یہ ہے کہ مدرسہ اور خانقاہیں اس کے مسموم اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ صوفیہ نے شریعت کو طریقت سے علیحدہ کرکے اپنے غیر شرعی اعمال کا جواز تلاش کرلیا تھا۔ علماءِ سوء نے فقہ کو اپنی بہانہ جو فطرت کا آلہ بنایا۔ اور حیلہ بازی دور دورہ شروع ہوا۔ شیخؒ ہندوستان کے ان روح فرسا حالات میں حجاز سے واپس آئے۔

چار سال قبل جو مایوسی ان پر غالب تھی اب اس پر قابو پا لیا تھا۔ علوم دینی کا بے پناہ سرمایہ ان کے سینہ میں تھا اور اسی سے مذہبی انتشار دور کرنے کے لیے انھیں محاذ کا کام لینا تھا۔

ہندوستان واپس آنے کے بعد شیخؒ نے دہلی میں مسند درس و تدریس و ارشاد بچھائی۔ شمالی ہندوستان میں اس زمانہ میں یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں سے شریعت و سنت کی آواز بلند ہوئی ۔ اس مدرسہ کا نصاب تعلیم دوسری درس گاہوں سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں قرآن و حدیث کو تمام علوم دینی کا مرکزی نقطہ قرار دے کر تعلیم دی جاتی تھی ۔ درس و تدریس کا یہ ہنگامہ شیخ نے آخری عمر تک برپا رکھا ۔ ان کا مدرسہ سارے شمالی ہندوستان میں امتیازی شان رکھتا تھا ۔ سینکڑوں کی تعداد میں طلبا استفادہ کے لیے جمع ہوتے تھے۔ اور متعدد اساتذہ درس و تدریس کا کام انجام دیتے تھے۔ شیخ محدث کا یہ دارالعلوم اس طوفانی دور میں شریعت اسلامی اور سنت نبویؐ کی سب سے بڑی پشت پناہ تھا۔ مذہبی گمراہیوں کے بادل چاروں طرف سے منڈلائے اور اس دارالعلوم کی دیواروں سے ٹکرائے لیکن شیخ کے

پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش نہ آئی۔ان کے عزم و استقلال نے وہ کام انجام دیا جو ان حالات میں ممکن نظر نہ آتا تھا۔[1]

ایک طرف شیخ رحمہ اپنے دارالعلوم کے تربیت یافتہ علماء کو شریعت اسلام کی خدمت کرنے اور بہکے ہوئے مسلمانوں کو بے دینی اور گمراہ عقائد سے نکالنے کے لیے ملک کے مختلف گوشوں میں پھیلاتے رہے تو دوسری طرف دین الٰہی مہدوی تحریک اور علماء سوء کے فتنوں کا رد کرنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ و ارفع مقام اور ان کی تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے تصنیفات پر بھی خصوصی توجہ فرمائی۔ان کے درس و تصنیف نے ایک پورا سلسلہ تعلیم ملک میں عام کیا۔

علم حدیث پر ایسی صحیح اور معتبر کتابیں تصنیف فرمائیں کہ اس سے پہلے علماء متقدمین و متاخرین نے کیں تھیں۔ اپنی تصنیفات کے ذریعہ پورے ملک میں علم حدیث پھیلایا۔جس کی وجہ سے "محدث" کا لقب پایا۔ان سے پہلے شمالی ہندوستان میں کوئی محدث نہیں ہوا۔ اس کے بعد جو محدث ہوئے آپ کے مقلد اور پیرو ہوئے لہٰذا آپ امام المحدثین ہیں۔ آپ کی تصنیفات پر علماء زمانہ فخر کرتے اور ان کو اپنا دستور العمل بناتے رہے ہیں۔ علم حدیث کے علاوہ حضرت شیخ رحمہ نے دین کے مختلف موضوعات پر بھی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کی تعداد ساٹھ اور سطروں کی گنتی چھ لاکھ سے زائد ہے۔ چند عربی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔حضرت شیخ رحمہ کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے کی خصوصی مہارت حاصل تھی۔ حضرت شیخ رحمہ کی جملہ تصنیفات مندرجہ ذیل موضوعات پر پائی جاتی ہیں:

(۱) تفسیر (۲) تجوید (۳) حدیث (۴) عقائد (۵) فقہ (۶) تصوف (۷) اخلاق (۸) اعمال (۹) فلسفہ و منطق (۱۰) تاریخ (۱۱) سیر (سیرت و سوانح) (۱۲) نحو (۱۳) ذاتی حالات (۱۴) خطبات (۱۵) مکتوبات (۱۶) اشعار (۱۷) وصیت۔

---

[1] پروفیسر خلیق نظامی، شیخ عبدالحق ص ۱۲۴ تا ص ۱۲۶۔

مصنف مرآۃ الحقائق فرماتے ہیں کہ میں حیران ہوں وہ کون سے اوقات ہوتے تھے جن میں نوبت اسقدر کتب کی تصانیف کی ہوتی تھی۔ اور تعلیم ظاہری و باطنی طالبان کو دی جاتی تھی۔ وعظ و تلقین عام طور پر ہوتا تھا۔ اور شب خیزی و عبادت خاص عمل میں آتی تھی اور ضروریات لازمی و دنیاوی انجام پاتی تھیں۔ سوائے اس کے میرے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب حضرتؒ کی کرامت ہے[1]

حضرت شیخؒ کی تحریریں عموماً سیدھی سادی زبان میں ہیں اشہد سے زیادہ شیریں اور قلوب پر اثر کرنے والی ہیں۔ بحث و استدلال اور قیل و قال کی الجھنوں سے دور رہ کر اظہار مدعا فرماتے ہیں۔ کسی مسئلہ پر علماء کے اختلاف کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنا نظریہ اور فیصلہ دلیل کے ساتھ واضح فرماتے ہیں۔ حضرت شیخؒ کا خلوص اور اصلاح کا جذبہ قاری کو فیضیاب کئے بغیر نہیں رہتا۔ اگر کسی میں طلب صادق ہو تو حضرت کی تصنیفات کا مطالعہ اس کی دینی و دنیاوی زندگی کی اصلاح و کامیابی کا ضامن ہے۔ حضرت کی متعدد کتابوں کے اردو میں تراجم شائع ہوچکے ہیں۔ اکثر تصنیفات کے قلمی نسخہ جات مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ جن میں سے بعض حضرتؒ کے قلم مبارک سے تصحیح شدہ ہیں۔ گویا حضرت کی ذاتی تحریریں دنیا کی مشہور لائبریریوں میں آج تک محفوظ ہیں۔

عقائد کے موضوع پر حضرت شیخؒ کی مشہور اور مقبول تصنیف "تکمیل الایمان" ہے۔ حجم میں مختصر مگر افادیت میں بہت زیادہ ہے۔ کتاب کی ابتدا میں حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ :-

> یہ کتاب تکمیل الایمان عقائد اسلام اور مسلک اہل سنت والجماعت کے قواعد پر مشتمل ہے یہ بہترین فوائد اور لطیف معانی کا خزانہ ہے۔ کلام کی وضاحت اور مطالب کی تشریح اس

---

[1] منشی برکت علی۔ مرآۃ الحقائق ص۲۸۔

انداز سے کی گئی ہے جس سے اللہ نے چاہا تو دلوں پر اثر ہوگا اور نظر و قلب نور یقین سے منور ہو جائیں گے۔ اسے ہر مومن جس کے دل میں طلب صادق ہو، کے لیے لکھا گیا ہے۔

انسان کو کسی شے کا علم ہونا پھر بلا تذبذب اس کا دل سے صحیح ماننا اور یقین کرنا عقیدہ کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبی طور پر یقین کرنا پھر زبان سے تصدیق کرنا علامت ایمان ہے۔ دل سے یقین اور تصدیق کیے بغیر زبان سے اقرار کرنا منافقت ہے۔ گویا ایمان کی بنیاد قلب کے یقین و تصدیق پر رکھی جاتی ہے۔ اگر عقیدہ درست ہے تو ایمان بھی درست و سلامت ہے۔ ایمان لانے کے بعد متعدد عقائد اور ایسے ہیں جنھیں بلا حجت اور تذبذب مان لینا اور تصدیق بالقلب کرکے ایمان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس میں عقل انسانی کو کوئی دخل نہیں اگر کوئی انسانی عقل و خرد اس میں دخل دے اور حجت کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے اپنی عقل و خرد پر فخر اور زعم ہے۔ جو باتیں اس کی عقل و خرد کی پہنچ سے باہر ہیں ان پر ایمان نہیں لاتا۔ مذہبی احکامات اور قیود کو نہ صرف حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، بلکہ مذاق بھی اُڑاتا ہے۔

اکبر اور اس کے دور کے علماء سوء اور دانشوروں نے اپنی عقل و دانش کے زعم میں خود کو بھی گمراہ کیا اور عوام الناس کے اعتقادات میں بھی فساد پیدا کرنے کی مہم چلائی۔ حضرت شیخ رح اکبر کے دور کی بد اعتقادی اور نظریاتی فتنوں کے خلاف، عقائد کی اصلاح، ایمان کی تازگی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اور ارفع مقام اور تعلیمات شریعت مطہرہ کو عوام الناس تک پہنچانے اور سمجھانے میں تندہی کے ساتھ آخر دم تک منہمک رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درس و تصنیفات کو اپنے غیب کے فیض سے نوازا۔ اور پورے ملک میں ان کا سلسلہ تعلیم و تصنیف مقبول عام ہوا۔

تکمیل الایمان میں حضرت شیخ رح نے انتہائی آسان اور دل نشین انداز میں مسلک اہل سنت والجماعت کے عقائد پر روشنی ڈالی ہے۔ فضیلت

خلفاء راشدینؓ مسئلۂ خلافت اور دشعیہ عقیدہ) تقیہ حضرت علیؓ پر دلائل کے ساتھ بحث کی ہے ۔جگہ جگہ قرآن حکیم ، احادیث مقدسہ اور بزرگان دین کی کتابوں کے حوالہ درج کیے ہیں اس کے مطالعہ سے ہم اہل سنت والجماعت کی معلومات میں زبردست اضافہ ہوگا ۔ یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہمارے اکثر عقائد ہماری لاعلمی کی وجہ سے غلط ہیں اور ہم اس سے قطعی بے خبر ہیں ۔

حضرت شیخؒ نے یہ کتاب فارسی میں تصنیف فرمائی تھی ، مولوی عبدالاحدؒ مالک مطبع مجتبائی دہلی کی ایما پر مولوی محمد مشتاق احمدؒ حنفی چشتی انبٹھوی نے ایک قلمی اور صحیح نسخہ سے جو ان کے پاس موجود تھا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۱۳۱۲ھ میں مولوی عبدالاحدؒ نے مطبع مجتبائی سے شائع کیا۔ شیخ عبدالحقؒ اکیڈمی دہلی اسی ترجمہ کو شائع کر رہی ہے ۔ اکیڈمی حضرت شیخؒ کی مشہور تصنیف 'مرج البحرین' کا اردو ترجمہ شائع کرنے کی سعادت بھی حاصل کر چکی ہے۔

بانی شیخ عبدالحق اکیڈمی و منتظم درگاہ شیخؒ جناب ضیاءالحق صاحب سوز دہلوی حقی حضرت شیخ کی اولاد میں سے ہیں ۔ انھیں حضرت شیخؒ سے حد درجہ عقیدت اور لگاؤ ہے ۔ اکیڈمی کا قیام درگاہ کے فرش و مسجد کی تعمیر اور دیگر انتظامات ، باقاعدگی کے ساتھ سالانہ عرس کا انعقاد اور درگاہ میں حضرت شیخ کی شایان شان دینی مدرسہ قائم کرنے کا پروگرام، حضرت شیخؒ کی جملہ تصنیفات کے اردو تراجم کی اشاعت وقتاً فوقتاً سیمینار کا انعقاد، ان کی حضرت شیخؒ سے سچی عقیدت کا مظہر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کا حوصلہ قائم رکھے اور ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے۔

یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ جیسے کم علم اور ناچیز میں یہ جرات نہ تھی کہ علم و فضل میں ممتاز فخرالعالم حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ کی بلند پایہ شخصیت یا ان کی کسی تصنیف پر کچھ تحریر کروں ۔ حضرت شیخؒ سے میری عقیدت استاد محترم جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی کی شفقت اور توجہ خصوصی، جناب سوز صاحب کا پیہم اصرار اور حضرت شیخؒ کے عقیدت مند میرے والد ڈاکٹر عبیداللہ کی

ہمت افزائی اور تعاون میری ہمت کا باعث ہوے۔ یہ چند جملے حضرت شیخ رح سے میری عقیدت کا مظہر ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مجھے حضرت شیخ رح کے علم وفضل کا قدرے قلیل حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اہل علم حضرات میری کوتاہیوں اور غلطیوں سے مجھے مطلع فرماکر مشکور فرمائیں۔ فقط

غلام حقی

حفظ الرحمٰن

ریسرچ اسکالر۔ شعبہ عربی۔ دہلی یونیورسٹی

# سُخنہائے گفتنی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے علم حدیث کا باضابطہ درس شروع کیا کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ مدینہ منورہ علی صاحبہا التحیہ میں ایک شب خواب میں حضرت ختمی رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت نے آپ کو حکم دیا کہ ہندوستان جاکر دین کی اشاعت کرو چنانچہ آپ نے ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھا۔ دہلی تشریف لائے اور کار مفوضہ میں مصروف ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدمت پر مامور کیا ہو یقیناً اس کی زبان و بیان کو خدا اور رسول کی خوشنودی اور حفاظت و صیانت حاصل ہوگی اس لیے یہ حقیقت بدیہی الثبوت ہے کہ حضرت شیخ نے دین متین کے تعلق سے جو کچھ فرمایا ہے وہ لاریب حق ہے، معتبر ہے، مستند ہے اور یہی وجہ ہے کہ پورے عالم اسلام میں آپ کو عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور آپ کی تصانیف کو قبول عام حاصل ہے۔

حضرت شیخ کا زمانہ بھی بڑا پر آشوب تھا۔ مذہب حقہ کو نقصان پہنچانے کے لیے چومکھی کوششیں جاری تھیں۔ خود بادشاہ وقت جلال الدین اکبر نے دین الٰہی قائم کرکے ایک نئے فتنے کی داغ بیل

ڈال دی تھی اور اس کے پروپگنڈہ کے لیے ساری سرکاری مشینری جھونک دی تھی۔ جلال الدین اکبر کے سامنے سینہ سپر ہونا بجائے خود بڑی جرأت کی بات تھی۔ ملا محمد یزدی جونپوری کو اسی جرم بے گناہی کی پاداش میں جمنا ندی میں پھینک دیا گیا تھا ایسے ہیبت ناک اور ہلاکت خیز دور میں اس منصوبہ بند فتنے کا سر کچلنے کے لیے حضرت مجدد الف ثانی حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت شیخ اپنی پوری جرأت ایمانی کے ساتھ میدان عمل میں آئے۔ بالآخر حق کا بول بالا رہا اور اکبر کا خود ساختہ دین الٰہی نسیاً منسیا ہو گیا۔

حضرت شیخ نے ماضی و حال کے تلخ حقائق کے پیش نظر شدت سے ساتھ محسوس کیا کہ اگر ایمان اور عقیدے کی حفاظت نہ کی گئی تو معاندین اسلام بدعات و منکرات کی آمیزش کر کے اس کی صحیح تصویر کو مسخ کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ آپ نے یہ فریضہ بہ طریقہ احسن انجام دیا۔ زیر نظر کتاب تکمیل الایمان بھی اسی داعیہ کا ایک حصہ ہے۔

ذیل میں حضرت شیخ کی بعض تصانیف سے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں جن کے نفس مضمون سے ظاہر ہے۔ کہ آج بھی اس کی تشہیر و اشاعت اتنی ہی ضروری ہے جتنی حضرت شیخ کے زمانۂ حیات میں تھی۔

## علم غیب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں: "فَعَلِمْتُ مافی السمٰوات والارض" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامۂ علوم جزئی و کلی و احاطہ آن۔ | (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پس مجھے معلوم ہو گیا جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین ہے۔ اس سے مراد |

یہ ہے کہ تمام جزئی وکلی علوم حضور کو حاصل ہو گئے اور آپ نے سارے علوم کا احاطہ فرمایا۔

مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

وہرچہ در دنیا است از زمان آدم علیہ السلام تا نفخہ اولی بروے علیہ السلام منکشف ساختہ تا ہمہ احوال اورا از اوّل تا آخر معلوم گردد و یاران خود را از بعضے احوال خبر داد۔

حضرت آدم علیہ السلام سے قیامت تک جو کچھ دنیا میں ہے سب کچھ حضور علیہ السلام پر ظاہر فرما دیا گیا تاکہ اوّل سے آخر تک تمام حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور علیہ السلام نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

# اختیار و تصرف مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم

مدارج النبوۃ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و تصرف کے تعلق سے رقم فرماتے ہیں :۔

وشارع رامی رسد کہ تخصیص کند ہر کرا خواہد بہر چہ خواہد۔ (جلد اوّل صفحہ ۱۵۷)

اور شارع علیہ السلام کو یہ حق ہے کہ جس کے لیے جو حکم چاہیں خاص فرمادیں۔

اسی سلسلہ اختیار و تصرف کے تحت ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

واز اں جملہ آنست کہ دادہ شد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح خزائن وسپردہ شد بوے وظاہرش آنست کہ خزائن ملوک فارس و روم ہمہ بدست صحابہ افتادہ وباطنش آں کہ مراد از خزائن اجناس عالم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور خزانے ان کو سپرد کر دیے گئے اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ شاہان فارس و روم کے سارے خزانے صحابہ کے ہاتھوں میں آگئے اور باطن یہ ہے کہ اجناس عالم کے خزانے مراد ہیں کہ سب کا رزق ان کے دست قدرت

| | |
|---|---|
| است کہ رزق ہمہ درکف اقتدار وے سپرد۔ | و اختیار میں دے دیا گیا۔ |

## حیات الانبیاء

مدارج النبوت میں حیات پاک کے سلسلے میں یوں اظہار حقیقت فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالیٰ جسد شریف را حالتے و قدرتے بخشیدہ است کہ درھر مکانے کہ خواھد تشریف بخشد خواہ بعینہ خواہ بمثال خواہ برآسماں خواہ برزمین خواہ در قبر یا غیر وے، صورتے دارد باوجود نسبت خاص بہ قبر درہمہ حال۔ | اگر اس کے بعد یہ کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ زمین پر خواہ قبر میں یا اور کہیں تو درست ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔ |

اسی مضمون کے تحت جامع البرکات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وے علیہ السلام براحوال و اعمال امت مطلع است برمقربان و خاصان خود مفیض و حاضر و ناظر است۔ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے احوال و اعمال سے باخبر ہیں اور خاصان بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ |

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مشہور کتاب "فتوح الغیب" کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| امام انبیاء علیہ السلام بحیات حقیقی دنیاوی حی و باقی و متصرف درنیجا سخن نیست۔ | امام انبیاء علیہ السلام حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ و باقی اور تصرف فرمانے والے ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ |

# محفل میلاد صلی اللہ علیہ وسلم

مدارج النبوۃ میں محفل میلاد کے سلسلے میں رقم فرماتے ہیں :۔

ابولہب بولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرور کرد عذاب دے تخفیف کرد و بروز دوشنبہ از وے عذاب برداشت چنانکہ در حدیث آمدہ است دریں جا سند است بر اہل موالید را کہ در شب میلاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرور کنند و بذل اموال نمائند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں سرور میلاد آنحضرت و بذل جاریہ وے آنحضرت جزا دادہ شد تا حال مسلماں کہ مملو است سرور و بذل مال در وے چہ باشد۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کے عوض ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوئی اور دوشنبہ کو اس سے عذاب اٹھا لیا گیا جیساکہ حدیث میں وارد ہے یہاں میلاد خوانی کرنے والوں کے لیے سند اور دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کی شب خوشی منائیں اور مال خرچ کریں۔ یعنی ابولہب جو کافر تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی اور باندی آزاد کر دینے کی اُسے آنحضرت کی طرف سے جزا دی گئی تو مسلمان کا کیا حال ہوگا جو مسرت اور صرف مال سے بھرا پڑا ہے۔

# ندائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت شیخ نے اپنے اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر ندا دی ہے اور اپنی عقیدت کا اظہار یوں فرمایا ہے۔

خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ      جمال خود نما رحمے بجانِ زار شیدا کن
بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما      بلطف خود سر و سامان جمع بے سروپا کن

یہ خبر باعث مسرت ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے خاندان گرامی کے باقیات الصالحات میں سے محترم ضیاء الحق سوز حقی (متولی درگاہ حضرت شیخ) جو کہ دہلی کی تہذیب و ثقافت کے امین ہیں، جنھیں اہل دہلی ایک مخلص، غریب پرور، سماجی کارکن کی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہیں۔ انھوں نے گزشتہ برس ''حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی'' کی بنا ڈالی ہے جس کے عظیم منصوبوں میں حضرت شیخ کے افکار و نظریات کی تبلیغ و ترویج اور تالیفات و تصنیفات کے تراجم کی اشاعت شامل ہے۔ گزشتہ برس اکیڈمی کی طرف سے شیخ کی مشہور زمانہ کتاب ''مرج البحرین'' کا فارسی متن مع اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ زیر نظر کتاب تکمیل الایمان اسی سلسلۂ اشاعت کی دوسری کڑی ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

(ڈاکٹر) محمد فضل الرحمٰن شرر مصباحی
(ڈیپارٹمنٹ آف مڈلسن طبیہ کالج دہلی یونیورسٹی)

۱۳ / نومبر ۱۹۹۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# منظور ہے گزارش احوال واقعی ...

اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے پایاں شکر و احسان کہ اس نے مجھ سے حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نایاب کتاب "نورالعقائد ترجمہ اردو تکمیل الایمان" کو شائع کرانے کا کام لیا۔ چونکہ زیر نظر کتاب فارسی میں تکمیل الایمان" کے نام سے ہے۔ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اور اس کے حسن و قبح پر میں آپ کی رائے جاننے کا متمنی بھی ہوں۔ ہماری حتی الوسع کوشش رہی ہے کہ اس کتاب کا گٹ اپ بھی حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے افکار عالیہ کی شایان شان رہے۔ ہمیں امید ہے کہ انشاءاللہ ہم اس پہلو سے آپ کی توقع پر پورے اتریں گے۔ لیکن یہاں میں اس دشوار گذار ماضی اور پُر آشوب مستقبل کے بارے میں کچھ گوشش گذار کرنا چاہتا ہوں، جن کا سامنا ہمیں ہے۔ واللہ المستعان۔

مجھے بچپن سے ہی حضرت شیخ قدس سرہٗ سے قلبی عقیدت و محبت رہی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ آپ کی ذات بزرگوار سے نسبی تعلق کا شرف مجھ خاکسار کو حاصل رہا ہے بلکہ جب میں لوگوں سے حضرت شیخ المحدثین کے علمی تبحّر اور ان کے اجتہاد معرفت کے بارے میں سنتا تھا تو مجھے خواہش

ہوتی تھی کہ کاش میں بھی ان نایاب جواہرات سے کما حقہٗ بہرہ ور ہوسکتا۔ شومیٔ نصیب سے تقسیم ہند کے بعد کے ایام کچھ ایسے دشوار گذار ثابت ہوئے کہ معاشی اور دیگر پریشانیوں کی وجہ سے ہم لوگوں کی خاطر خواہ تعلیم نہ ہوسکی اور اس محرومی نے اس احساس کی شکل اختیار کرلی کہ جس طرح بھی ممکن ہو حضرت شیخ المحدثین کی تعلیمات اور ان کی شخصیت سے عوام کو متعارف کرایا جائے۔ موجودہ کوشش بھی اسی احساسِ ذمہ داری کا ایک حصّہ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رح کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا زمانہ ہے۔ان کی پیدائش محرم ۹۵۸ھ میں اور وفات ۲۱ اور ۲۲ ربیع الاوّل کی درمیانی شب میں ۱۰۵۲ھ میں ہوئی تھی۔ ہم لوگوں کے مورث اعلیٰ حضرت آقائے محمد ترک البخاری تھے جو کہ سلطان علاءالدین خلجی کے دورِ حکومت میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ ان کی اولادوں میں حضرت شیخ محدث دہلوی نے چہار دانگ عالم نام کمایا۔ حضرت شیخ رح کی تین نرینہ اولادیں تھیں۔ جن میں سے شیخ علی محمد ہمارے جدّ اعلیٰ تھے۔ میں اُن کی آٹھویں نسل کی یادگار ہوں۔ خاکسار کے گیارہ بھائیوں میں سے آٹھ بفضلہ تعالےٰ حیات ہیں اور تین بہنیں ہیں۔ بیشتر کی شادیاں والدین نے اپنی زندگی میں ہی کر دی تھیں۔ والدصاحب کا انتقال ۱۹۷۲ء میں ہوا اور ۱۹۷۸ء میں والدہ محترمہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔

والدصاحب بتایا کرتے تھے کہ تقسیم سے قبل حضرت شیخ محدث دہلوی کا عرس پاک بڑے اہتمام سے ہوا کرتا تھا۔ خاندان کے تمام لوگ اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ پھر تقسیم وطن کی منحوس گھڑی آئی اور ہمارا بھرا پُرا خاندان تتر بتر ہوگیا۔ پاکستان جانے والوں میں ہمارے تین بھائی بھی تھے والدصاحب تقسیم ہند کے بعد پاکستان نہیں گئے یہیں رہے۔ لیکن یہاں ہوا یہ کہ والدصاحب کی چاندی کی دوکان جو دریبہ میں واقع تھی، اس وقت کے فسادات کی نذر ہوگئی۔ تاہم والدصاحب نے ہمت نہیں ہاری۔ ان کے

جیسے متقی اور پرہیزگار شخص سے یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہ جھوٹے سچے ہتھکنڈوں کے ذریعہ فسادات کا نقصان پورا کرنے کی بات سوچتے۔

۱۹۷۲ء میں جب والد صاحب کا انتقال ہو گیا تو خاکسار کو حضرت شیخ رح کی درگاہ کی خدمت گذاری کے لیے خود کو وقف کرنا پڑا۔ چنانچہ گذشتہ ۱۶ برسوں سے خاکسار جدّی ومربیّ حضرت شیخ المحدثین کے اعراس پابندی سے کراتا رہا ہے اور ان کی درگاہ نیز ملحقہ مساجد و متعلقہ موقوفہ آراضی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی ادا کرتا رہا ہے۔ یہ کام جو بظاہر آسان نظر آتا تھا، میرے لیے کئی موقعوں پر بڑے خطرات کا باعث ثابت ہوا اور آج بھی اس کام میں ایسی مشکلات درپیش ہیں جن کی وجہ سے حضرت شیخ رح کے مشن کو کما حقہ آگے بڑھانے میں سخت دشواریوں کا سامنا ہے۔

تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ فسادات کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر بہت سے لوگوں نے درگاہ شیخ المحدثین سے ملحق آراضی پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا۔ خاندان کی دوسری شاخ کے فرزندِ رشید محترم تسنیم الحق مرحوم اگرچہ تعلیم یافتہ تھے اور سرکاری عہدہ پر بھی تھے لیکن ذاتی مصروفیات کی بنا پر وہ اُن ناجائز قبضوں کے سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکے۔ چنانچہ خاکسار نے ہی درگاہ اور اس سے ملحقہ آراضی کے تخلیہ کی ذمہ داری قبول کی۔ لیکن اس کام میں شورہ پشتوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بلکہ ۱۹۸۹ء میں ان لوگوں نے درگاہ کی مسجد کے امام کو قتل بھی کر ڈالا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح ان تمام مشکلات کو جھیلا گیا اور ناجائز قبضوں کے خلاف مقدمات قائم کر دیئے گئے جو مختلف عدالتوں میں تاہنوز زیر سماعت ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حیرت و افسوس کی بات یہ ہے کہ دہلی وقف بورڈ نے نہ تو خود کوئی اقدام کیا اور نہ ہی خاکسار کے ساتھ کوئی عملی تعاون کیا حتیٰ کہ ہمیں یہ بھی اپنے طور پر معلوم کرنا پڑا کہ درگاہ کی موقوفہ آراضی کتنی اور کہاں کہاں ہے؛ چونکہ وقف بورڈ نے ہمیں کوئی بھی ریکارڈ بہم نہیں

پہنچا یا لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام موقوفہ آراضی ہمارے علم میں آچکی ہے یا ابھی کچھ اور آراضی کسی ناجائز قبضہ میں باقی ہے۔

ہمارا پلان یہ ہے کہ ناجائز قبضوں کے بعد ہم اس آراضی پر ایک جدید طرز کی اسلامی لائبریری اور ایک دینی مدرسہ قائم کریں گے۔ قبرستان کی خبر گیری بھی فوری توجہ کی طالب ہے کیونکہ مناسب حد بندی نہ ہو سکنے کی وجہ سے بہت سی قبروں کی نگہداشت مناسب ڈھنگ سے نہیں ہو پا رہی ہے۔ قبرستان سے ہی ملحق بڑی آراضی غیر آباد پڑی ہے۔ اسی جگہ پر انشاء اللہ حضرت شیخ المحدثین کی یادگار کے طور مذکورۂ بالا مدرسہ نیز دارالمطالعہ قائم کیا جائے گا جو انشاء اللہ حضرت شیخ المحدثینؒ کے شایان شان ہوگا۔

حضرت شیخ کے علمی مرتبہ کے بارے میں خاکسار کا کچھ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہوگا۔ ع چہ نسبت خاک را قدسیان پاک؟ تاہم یہ بات تو معروف ہے کہ ہندوستان میں علم حدیث کا اجرا حضرت والا تبار کی ذات گرامی سے ہی ہوا۔ چنانچہ ہندوستان کے محدثین میں شاید ہی کوئی ایسا سلسلہ ہو جو روایت حدیث میں حضرت شیخؒ کے توسل سے مستغنی ہو۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ حضرت شیخؒ کی ذات و تعلیمات پر ہندوستان میں تقریباً کچھ کام نہیں ہوا اور حضرت شیخؒ کی متعدد تصنیفات نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ انہی دونوں مقاصد کی تکمیل کی خاطر ہم نے اکتوبر ۱۹۹۱ء میں شیخ عبدالحق محدثؒ اکیڈمی قائم کی۔

اکیڈمی کی جانب سے پہلے تو ہم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ حضرت شیخؒ کی نایاب کتابوں کے نسخے کہاں کہاں دستیاب ہیں اور یہ کہ حضرت شیخؒ کی ذات و تعلیمات پر تحقیقی کام دنیا میں کہاں کہاں ہو رہا ہے۔ الحمد للہ مجھے یہ بتاتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ دنیا کی متعدد یونیورسٹیوں میں حضرت شیخؒ کی ذات اور تعلیمات پر تحقیقی کام ہو رہا ہے اور آن کی متعدد کتابوں کا عالمی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ امریکہ کی مسی سپی یونیورسٹی، مصر کی جامعہ ازہر، جرمنی

135445

کی بون یونیورسٹی اور ہندوستان کی جامعہ عثمانیہ سے اسکالرز نے حضرت شیخ کی ذات و
تعلیمات پر تحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی/ڈی لٹ/اس کے مساوی سند نامے حاصل
کیے ہیں۔ پاکستان اور مغربی جرمنی میں حضرت شیخ کی متعدد نایاب کتابوں کی مائکرو
فلمیں تیار کی گئیں یا انھیں فوٹو آفسیٹ پر شائع کیا گیا ہے۔ ہمارا پلان ہے کہ انشاء اللہ
ہم ان تمام نایاب کتابوں نیز تحقیقی کارناموں کو اکیڈمی کی جانب سے شائع کرنے کا
اہتمام کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

والسلام

ضیاء الحق سوز حقی دہلوی

نبیرۂ شیخ

متولی و سجادہ نشیں درگاہ شیخ عبدالحق

محدث دہلوی

فاؤنڈر و آرگنائزر شیخ عبدالحق محدث اکیڈمی

# حرفِ چند

یہ ایک حقیقت ہے کہ دہلی والے ہمیشہ سے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ پر کار بند رہے۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ جب ہماری نظر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اٹھتی ہے جنھوں نے بحکم سرکارِ مدینہ علی صاحبہا التحیہ مدینہ منورہ سے دہلی تشریف لاکر یہاں سے پورے عالم اسلام کے لیے علم دین کی ترویج و اشاعت کا کام شروع کیا جو فی الحقیقت دنیائے اسلام پر حضرت شیخ کا احسان عظیم ہے تو ایسا لگتا ہے کہ دہلی والوں نے اس بزرگ شخصیت کی کما ینبغی قدر نہیں کی نہایت خوشی کا مقام ہے کہ حضرت شیخ کی اولاد امجاد میں سے محترم ضیاء الحق سوز حقی صاحب نے کمر ہمت باندھ کر حضرت شیخ کے افکار و معتقدات کی اشاعت کیلئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی قائم کر دی ہے۔

گزشتہ ۱۱ر اکتوبر کو عرس کے موقع پر ملک کے عظیم رہبران قوم اور دانشوروں نے اکیڈمی کے قیام پر محترم سوز صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس کی ضرورت اور اہمیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ عزت مآب گیانی ذیل سنگھ سابق صدر جمہوریہ ہند، حضرت

مولانا مفتی مکرم احمد امام شاہی جامع مسجد فتحپوری، محترم ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن شرر مصباحی رکن الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اور جناب خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی کی گرانقدر تقریریں ہوئیں۔ دہلی کی متعدد خانقاہوں کے سجادہ نشین اور ہزاروں دہلی و بیرون دہلی کے زائرین نے عرس کی تقریبات میں عقیدت کے ساتھ حصہ لیا جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اب حضرت شیخ رح کے فکر و عمل کی شمع روشن ہوچکی ہے اور جہل خرد کی کثیف تاریکی دور ہونے والی ہے۔ مجھے امید ہے کہ محترم سوز صاحب متولی درگاہ کی سربراہی میں وہ جملہ مقاصد پورے ہوں گے جن کے لیے اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا ہے۔

سگ در آستانہ عالیہ حضرت شیخ صاحبؒ
فقیر عبدالواحد چشتی قادری
گنج میر خاں ترکمان گیٹ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حامدا و مصلیا و مسلما

احقر انام محمد الاحد ابن مولانا غلام محمد جملہ اہل اسلام کی خدمت میں عموماً اور شائقین علم کلام و عقائد کی خدمت میں خصوصاً عرض رسا ہے کہ یوں تو اس فن کی کتابیں بہت سی ہیں منجملہ ان کے تصانیف امام الکلام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کافی و وافی ہیں جیسا کہ قواعد العقائد۔ کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد ہے۔ جس میں متکلمین کے علم کا خلاصہ ہے اور اُن کی رسمی کتابوں سے تحقیق میں بہت بڑھی ہوئی ہے اور معرفت کے دروازے کھٹ کھٹانے کی طرف زیادہ قریب ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جو خاص علمأ کے دیکھنے اور سمجھنے کی ہیں جن میں ہر قسم کے مباحث و دلائل موجود ہیں مگر ایسی عام فہم کتاب جو تمام مضامین کو حاوی اور اکثر مسائل کی جامع ہو تکمیل الایمان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہ دیکھا۔ یہ کتاب اس فن میں واقعی لاجواب ہے۔ شیخ رح نے آسانی کے ساتھ وہ وہ باتیں لکھی ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ عقائد دین اسلام کو موافق طریقہ اہل سنت والجماعت نہایت شستہ تقریر سے اس خوبی سے ادا کیا ہے جس سے خود بخود دلوں میں اثر اور نور یقین پیدا ہوتا چلا جائے (جس کی طرف دیباچہ میں شیخ نے اشارہ بھی کیا ہے) چونکہ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی اور ہمارے ملکی بھائی اس سے اچھی طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے اس لیئے احقر نے جامع علوم ربانیہ واقف اسرار قرآنیہ فاضل اجل عالم اکمل حضرت مولانا مولوی محمد مشتاق احمد صاحب حنفی چشتی انبہٹوی دامت

برکاتہم وافاضاتہم کو اس کتاب کے ترجمہ کے لیے تکلیف دی اور حضرت مولانا سلمہ نے بطیب خاطر عامۂ مسلمین کے نفع کے لیے ترجمہ کی طرف توجہ فرمائی اور چند روز میں اس کی تکمیل فرمائی۔ جزاہ اللہ عنا خیرا الجزاء ایک قلمی صحیح نسخہ آپ کے پاس تھا اس سے متن کی بھی تصحیح فرمائی اور ترجمہ ایسی خوبی سے کیا جس سے عام حاجتیں رفع ہوگئیں۔ اور تمام مضامین ومقاصد بے تکلف اچھی طرح سمجھ میں آنے لگے ترجمہ کی پاکیزگی۔ زبان کی سلاست کتاب کے دیکھنے پر موقوف ہے۔ جب حضرت مولانا سلمہ ترجمہ سے فارغ ہوئے تو احقر اس کے چھاپنے کے لیے مستعد ہوا اور تھوڑے دنوں میں حق تعالےٰ کریم کی امداد سے یہ کتاب چھپ کر تیار ہوگئی ذات باری تعالےٰ شانہ سے امید ہے کہ اسے میرے لئے ذخیرہ عقبےٰ کرے اور عامۂ مومنین کو اس کے مطالعہ سے نفع بخشے آمین ثم آمین۔

ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا اور درود وسلام نازل ہو مرسلوں کے سردار متقیوں کے امام خاتم الانبیاء محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر اور ان کی اولاد اور اصحاب اور تمام ان کے پیرووں پر۔

اس کے بعد کہتا ہے فقیر حقیر اللہ قوی پیدا کرنے والے کے تمام بندوں میں زیادہ ضعیف عبدالحق سیف الدین ترک دہلوی بخاری کا بیٹا کہ یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان ہے اس میں اسلام کے عقیدوں اور طریقہ اہل سنت وجماعت کے موافق مذہب کے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ فوائد شریفہ اور معانی لطیفہ پرشامل ہے۔ کلام کی توضیح اور مطالب کی تشریح ایسے طرز میں کی گئی ہے کہ خدانے چاہا تو دلوں میں اثر پیدا کرے گی اور باطن میں یقین کا نور بڑھاوے گی۔ میں نے اس رسالہ کو ہر ایک سچے مومن اور سچے طالب کے لیے لکھا ہے اور میں نے اس میں قول صحیح کے بیان کرنے اور مذہب حق کے اثبات پر اقتصار کیا ہے باطل مذہبوں کے ذکر کرنے اور لایعنی اقوال کے رد کرنے سے تعرض نہیں کیا۔ بحث وجدال اور قیل وقال کے راستہ کو چھوڑ دیا اور اور میں نے اس رسالہ کو علم کلام کے دلائل اور علم فلسفہ کی باریکیوں سے

سے خالی رکھا ہے تاکہ طالب کو تذبذب اور حیرت کے گرداب میں نہ ڈالے مقصد کے پانے اور مطلب کے حاصل ہونے سے نہ روکے اللہ ہی توفیق کا مالک اور اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی باگ ہے۔

حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ ثَابِتَۃٌ تمام چیزوں کی حقیقتیں ثابت ہیں۔ جملہ عقائد اور احکام کا مدار اس اعتقاد پر ہے کہ نفس الامر میں ہر چیز کی ایک حقیقت ہے اور یہ (ہر شئے کی حقیقت کا ہونا) کسی کے علم میں آنے یا اعتقاد کرنے پر موقوف نہیں نہ صرف وہم اور خیال ہے مثلاً پانی درحقیقت پانی ہے اور آگ اصل میں آگ ہی ہے یہ بات نہیں ہے کہ اگر آگ کی نسبت ہم پانی ہونے کا خیال کریں گے پانی ہو اور پانی کی نسبت آگ ہونے کا خیال جمائیں وہ آگ ہو اور مثلاً گرم کو سرد کہیں وہ سرد ہو اور سرد کی نسبت گرم کا اعتقاد کریں گرم ہو جن لوگوں کا ایسا اعتقاد ہے اُن کو سوفسطائی کہتے ہیں۔ اور یہ بات عقلاً اور شرعاً دونوں طرح بیہودہ اور باطل ہے۔ کوئی عقل والا یہ نہیں کہے گا کہ پانی اور آگ کی حقیقت صرف وہم اور خیال ہے اور اگر کچھ حقیقت ہے وہ اعتقاد کے تابع ہے۔

ایک اور جماعت ان سوفسطائیوں کی ہر چیز کی نسبت شک کرتے ہیں کہ وہ موجود ہے یا نہیں ان کو اپنے شک کرنے میں بھی شک ہے یہ کلام نامعقول اور مکابرہ ہے ان لوگوں کے ساتھ زبانی بحث و مناظرہ کرنے کا کوئی نتیجہ نہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ ان کو (مثلاً) آگ میں جلا دیا جاوے اگر آگ کی حقیقت اور اس کی گرمی کا اقرار کریں تو ملزم ہوگئے (یعنی ہار گئے) اور چپ رہے دم نہیں مارا یہی اصل مراد ہے (یعنی وہ اسی سزا کے لائق ہیں)۔

وَالْعَالَمُ حَادِثٌ اور عالم حادث ہے قدیم نہیں یعنی جو کچھ ذات حق اور اس کی صفات کے سوا ہے وہ حادث ہے عدم سے وجود میں آیا ہے اور قدیم نہیں ہے۔ کیونکہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ

یعنی اللہ ازل میں موجود تھا اور اس کے ہمراہ کوئی چیز نہ تھی اور دلیل عقلی یہ ہے کہ عالم متغیر اور حوادث کی جگہ ہے اور جو ایسا ہو وہ قدیم نہیں ہوتا کیونکہ جو قدیم ہو وہ متغیر نہیں ہوتا ایک حالت پر ہمیشہ رہتا ہے خدا تعالیٰ کی ذات اور (اس کی جملہ) صفات ہی ایسی ہیں کہ ان میں تغیر اور تبدل کو راستہ نہیں۔ اس کی شان بلند اور اس کی برہان قوی ہے۔

**وَهُوَ قَابِلٌ لِلْفَنَاءِ** اور عالم موجود ہونے کے بعد فنا اور ہلاک ہونے والا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ہر شے فنا ہوگی سوائے اللہ کی ذات کے پس فرشتے اور بہشت اور دوزخ وغیرہ جن کے ہمیشہ رہنے کی خبر احادیث میں ہے (موافق اس آیہ شریفہ کے) وہ بھی فنا ہو جاویں گے۔ خواہ ایک لمحہ کو فنا ہوں البتہ فنا ہونے کے بعد باقی رہیں گے اور کبھی فنا نہیں ہوں گے۔

**وَلَهُ صَانِعٌ** اور واسطے عالم کے پروردگار ہے جس نے اس کو معدوم سے موجود بنایا کیونکہ جب عالم حادث ہے اور حادث اسی کو کہتے ہیں کہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہو لہٰذا حادث کو عدم سے وجود میں لانے کے واسطے کوئی ذات چاہیئے جو اس کو موجود بنائے کس واسطے کہ اگر حادث خود بخود ہو جاتا تو حادث کیوں ہوتا قدیم اور ہمیشہ سے ہوتا اور جب قدیم اور ہمیشہ سے نہیں معلوم ہوا کہ کسی نے اس کو معدوم سے موجود بنایا اور پیدا کیا ہے۔

**قَدِيمٌ** ہمیشہ سے ہے یعنی عالم کو پیدا کرنے والا قدیم ہونا چاہیے اگر قدیم نہیں ہوگا حادث اور منجملہ عالم کے ایک ہوگا عالم کا پیدا کرنے والا نہیں ہوگا۔

**واجب الوجود** اس کا وجود واجب ہے اور اس کی ذات سے ہے غیر سے نہیں ورنہ غیر کا محتاج ہوگا اور جو غیر کا محتاج ہو وہ خدا ہونے کے لائق نہیں (کیونکہ) لفظ خدا کے معنی خود آنے والے اور خود موجود ہونے والے کے ہیں اور یہ بات ضروری ہے کہ تمام موجودات کا سلسلہ ایسی ہی ذات

تک منتہی ہونا چاہیئے جو خود موجود ہو ورنہ اس طرح یہ سلسلہ بے نہایت چلا جاوے گا اور یہ غیر معقول ہے۔

وَاحِدٌ وہ یکتا ہے فرمایا اس نے بلاشبہ اللہ معبود یکتا ہے اور حقیقت میں عالم کا پیدا کرنا اور دنیا کا انتظام کرنا سوائے ایک پیدا کرنے والے اور ایک کے درست نہیں ہوسکتا۔

حَيٌّ عَالِمٌ قَادِرٌ مُرِيدٌ زندہ اور دانا قدرت والا اور اختیار والا ہے جو کچھ کرتا ہے نہ جبر اور اضطرار سے کیونکہ ایسے عجیب وغریب عالم کا پیدا کرنا جو کمال درجہ مضبوطی اور اتقان میں ہے بغیر ان صفات کے ناممکن ہے مردہ اور جاہل اور غیر مختار سے کسی طرح نہیں ہوسکتا اور نیز یہ صفات (حیات۔علم۔قدرت۔ارادہ) اس کی مخلوقات میں موجود ہیں اگر اس کی ذات میں نہ ہوتیں تو ان میں کیونکر پیدا کرسکتا۔

مُتَكَلِّمٌ سَمِيعٌ بَصِيرٌ بولنے والا سننے والا دیکھنے والا ہے کیونکہ گونگا بہرا اندھا ناقص ہے اور ناقص خدائی کے لائق نہیں ہوتا (ان صفات کے ہونے پر) قرآن شریف گواہ ہے۔ان صفات کی حقیقت بلکہ تمام صفات الٰہی کو قیاس اور عقل سے دریافت نہیں کرسکتے ہاں اللہ کریم نے ان صفات کا نمونہ انسان کی ذات میں پیدا کیا ہے کہ جس نمونہ کے ذریعہ کسی قدر بوجہ مِنْ اوجہٍ نشان اس کی صفات کا مل جاتا ہے۔لیکن فی الواقع انسان کی صفات اس کی صفات سے کسی طرح مشابہ نہیں۔

صِفَاتُہٗ قَدِيْمَۃٌ اللہ پاک کی صفتیں اس کی ذات کی طرح قدیم اور باقی ہیں۔

وَلَا یَقُوْمُ بِذَاتِہٖ حَادِثٌ اللہ پاک کی ذات کے ساتھ کوئی حادثات قائم نہیں جس قدر اس کے کمالات حقیقیہ ہیں وہ ازل میں ثابت ہیں کیونکہ محل حوادث حادث ہوتا ہے اور جو قدیم ہے وہ محل حوادث نہیں ہوسکتا۔

وَلَيْسَ بِجِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا عَرَضٍ وَلَا مُصَوَّرٍ وَلَا مُرَكَّبٍ وَلَا مَعْدُوْدٍ وَلَا مَحْدُوْدٍ

وَلَا فِیْ جِھَۃٍ وَلَا فِیْ مَکَانٍ وَلَا فِیْ زَمَانٍ۔
اور اللہ پاک نہ جسم ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے یعنی بدن نہیں ہے اور نہ صفات بدن سے ہے جیسے سیاہی اور سفیدی اور مصوّر نہیں ہے یعنی صورت اور شکل سے پاک ہے مُرکّب نہیں ہے کہ اجزار سے مل کر بنا ہو معدود نہیں ہے کہ اس کو گن سکیں۔ مَحْدُوْد نہیں ہے کہ اس کی حدو نہایت ہو۔ کسی جہت میں (اوپر نیچے پیچھے آگے بائیں داہنے) نہیں ہے نہ کسی جگہ میں ہے اور نہ زمانہ میں۔ کیونکہ یہ تمام صفتیں عالم کی ہیں اور اللہ پاک عالم کی صفات سے پاک ہے۔ زمانہ میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ اس کو احاطہ کیے ہوئے اور شامل نہیں ہے اور اس کا وجود زمان پر موقوف نہیں ہے جب زمانہ نہ تھا اس وقت بھی وہ موجود تھا اب بھی کہ زمانہ ہے وہ موجود ہے وہ زمانہ میں نہیں ہے زمانہ کے ہمراہ ہے۔

لَا مِثْلَ لَہٗ وَلَا شِبْھَہٗ وَلَا ضِدَّ وَلَا نِدَّ وَلَا ظَھِیْرَ وَلَا مُعِیْنَ اللہ جل جلالہ کی ذات اور صفات میں کوئی اس کی مانند اور مشابہ نہیں اور نہ اس کی ضد اور نہ ند جو اس کے مخالف ہو ضد وہ مخالف ہے جو غیر جنس سے ہو اور ند وہ مخالف ہے جو اس شے کے ہم جنس ہو۔ اور نہ کوئی اس کا پشت پناہ ہے اور نہ مددگار۔

وَلَا یَتَّحِدُ بِغَیْرِہٖ وَلَا یَحُلُّ فِیْہِ نہ اپنے غیر کے ساتھ مل کر ایک ہو اور نہ غیر میں حلول کرے کیونکہ دو کا ایک ہونا محال ہے۔ دوئی ایک ہونے کی ضد ہے اور غیر میں حلول کرنا یعنی داخل ہونا اجسام کی صفات میں سے ہے جیسا پانی مٹی میں اور آگ پتھر میں روشنی گھر میں آدمی مکان میں ہے یہاں مذہب حلول اور اتحاد کا بطلان ہوا۔

مُتَّصِفٌ بِجَمِیْعِ صِفَاتِ الْکَمَالِ مُنَزَّہٌ عَنْ سِمَاتِ النَّقْصِ وَالزَّوَالِ صفات کمال سے موصوف ہے اور نقصان و زوال کی علامتوں سے پاک ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جس قدر صفات بقا اور کمال کی ہیں سب اس میں موجود

ہیں اور جس قدر نشان نقص وزوال کے ہیں تمام سے منزہ ہے رجلے جلالہٗ وتعالیٰ شانہ وَهُوَ مَرْئِيٌّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعتقاد کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایمان والوں کو اپنا دیدار دکھاوے گا فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ بیشک قریب ہے کہ تم دیکھو گے اپنے رب کو قیامت کے دن جیسے دیکھتے ہو چاند کو چودھویں رات تشبیہ فقط دیکھنے میں ہے ذات پروردگار اور چاند میں نہیں ہے اور قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے دیدار میں مقابلہ اور مواجہ اور قرب و بعد نہ ہوگا اس بصر یعنی آنکھ کو بصیرت کی قوت عطا ہوجاوے گی جو آج بصیرت یعنی دل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں قیامت کو سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے حاصل یہ کہ جس طرح آج اس کو بے کیف جانتے ہیں ایسا ہی اُس دن بے کیف دیکھیں گے عالم آخرت حقیقت ظاہر ہونے کی جگہ ہے جو آج باطن ہے وہ کل ظاہر ہوجاوے گا اور جو آج پوشیدہ ہے وہ کل کو کھل جاوے گا اور جب شارع علیہ السلام نے خبر دی اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہوگیا (ہاں) اس کی کیفیت اللہ کریم کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔

بعض کتابوں میں ایسا مذکور ہوا اور مشہور ہے کہ فرشتوں کو اللہ کریم کا دیدار نہیں ہوگا جبرئیل علیہ السلام کو کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ سے زیادہ ان کو بھی نہیں ہوگا اور جنات کو بھی دیدار نہیں ہوگا۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ امام شیخ ابوالحسن اشعری نے جو اہل سنت و جماعت کے پیشوا اور رئیس ہیں اپنی کتاب میں بتلایا ہے کہ بہشت میں فرشتوں کو دیدار ہوگا اور امام بیہقی نے بھی اسی کے موافق بیان کیا ہے اور حدیثوں کو اس کی تائید میں، نقل کیا ہے ائمہ متاخرین میں سے بعض نے ایسا ہی لکھا ہے۔

ہاں اگر جنات کی نسبت دیدار کا نہ ہونا بیان کریں تو ہو سکتا ہے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اماموں کی جماعت اس طرف گئی ہے کہ ان کو ثواب نہیں ملتا اور بہشت میں داخل نہیں ہوں گے نہایت بدلہ اُن کا یہ ہے کہ دوزخ کی آگ سے نجات پاویں لیکن اللہ تعالےٰ کا فضل بہت وسیع ہے ممکن ہے کہ کسی وقت اس نعمت سے بہرہ اندوز ہوں اگرچہ (آدمیوں کی مانند) ہر روز اور ہر جمعہ کو نہ ہو۔ عورتوں کی رویت دیدار میں بھی اختلاف ہے حق یہ ہے کہ کبھی کبھی ان کو دیدار ہو گا مثلاً دنیا کے بعض ایام عید وغیرہ کی طرح دربار عام ہو اُس میں ان کو دیدار نصیب ہو مومنوں کی طرح نہیں کہ خواص مومنوں کو ہر صبح و شام دیدار ہو گا اور عام مومنوں کو ہر جمعہ دیدار ہو گا اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں یہ جو میں نے بیان کیا سیوطی کا کلام ہے۔ کہتا ہوں میں (حضرت مصنف شیخ عبدالحق) کہ عورتیں عام مومنوں کی طرح بشارت دیدار میں داخل ہیں اسی طرح فرشتے اور جن داخل ہیں ممکن ہے کہ یہ کرامت (بشارت دیدار) آدمیوں کے واسطے خاص طور پر فرشتوں اور جنات کے واسطے یہ خصوصیت نہ ہو ہاں اگر کوئی دلیل بہم پہنچے تو پھر کوئی خدشہ نہیں لیکن اس بشارت سے عورتوں کا اخراج کرنا جائز نہیں اور کس طرح یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا اور خدیجۃ الکبرےٰ و عائشہ صدیقہ و دیگر نساء اہل بیت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مریم و آسیہ کو عالم کی عورتوں کی سردار ہیں عرفان و کمال میں بہت مردوں سے زیادہ ہیں دیدار الٰہی سے ممنوع اور محجوب رہیں۔ یا عوام مردوں سے اس نعمت و کرامت میں کم ہوں بلکہ ان کو عام مومنات سے مخصوص اور مستثنیٰ رکھا جاوے جن کی نسبت احادیث میں اعیاد اور جمعہ کا تعین ہے ہو سکتا ہے چنانچہ سیوطی نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ عورتوں کو

دیدار اس واسطے نہ ہوگا ) وہ خیموں میں ہونگیں ضعیف بات ہے کیونکہ
وہاں خیمے دنیا کے گھروں کی طرح حجاب نہیں ہوں گے اور یَرَاہُ المُؤمِنُونَ
اور اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ میں جو دو صیغے جمع مذکر کے ہیں پہلے جملے کے معنی یہ
ہیں کہ مومن اللہ کریم کا دیدار دیکھیں گے اور دوسرے جملہ کے معنی یہ ہیں
کہ بیشک تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تغلیباً
ہے یعنی غلبہ مردوں کا بیان کیا گیا اور عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں واللہ
علم سیوطی نے یہ بھی کہا ہے کہ روایت کی یہ تخصیص اور تفصیل بہشت میں
داخل ہونے کے بعد ہے اور موقف میں روایت ہوگی لیکن جلال وقہر
کی صفت میں ہوگی اس کے بعد محجوب کیئے جاویں گے تاکہ حسرت اور عذاب
زیادہ ہو واللہ اعلم اور اللہ کریم کو خواب میں دیکھنے کی نسبت بھی اختلاف
ہے مگر صحیح یہ ہے کہ خواب میں دیدار پروردگار سے مشرف ہونا درست
ہے اور سلف سے اس کے متعلق روایتیں منقول ہیں۔ امام احمد سے منقول ہے
کہ انھوں نے کہا میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا اے
پروردگار سب عبادتوں میں کونسی عبادت افضل ہے اور تیری بارگاہ میں پہنچنے کا کونسا راستہ نزدیک ہے
فرمایا قرآن مجید کی تلاوت۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے پروردگار عالم کو سو
دفعہ خواب میں دیکھا۔ ابن سیرین جو اکابر تابعین سے ہیں اور خواب کی تعبیر میں پیشوا مانے جاتے ہیں فرماتے ہیں کہ جو
شخص حق تعالےٰ کو خواب میں دیکھے (تعبیر اس کی یہ ہے) کہ بہشت میں داخل ہو اور غم و رنج
سے نجات پاوے۔ یہ درحقیقت مشاہدہ قلبی ہے آنکھ کو دیکھنا نہیں ہے۔
اور اگر کوئی آنکھ سے دیکھے وہ مثال کو دیکھنے والا ہے حق تعالیٰ مثل نہیں
ہے مگر مثال ہے مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل وہ ہے جو جمیع صفات
میں ممثل لہ کے مشابہ ہو۔ مثال میں مساوات شرط نہیں ہے مثلاً عقل کو آفتاب
سے تشبیہ دیتے ہیں اور وہ جمیع صفات میں آفتاب کی مثل نہیں ہے حالانکہ
آفتاب کی مثال عقل کو لاتے ہیں مناسبت صرف اس میں ہے کہ جس طرح
آفتاب کے نور سے محسوس چیزیں منکشف ہوتی ہیں عقل کو نور سے معقولات

منکشف ہوتی ہیں ۔ مثال ہونے کے واسطے اسی قدر مناسبت کافی ہے اسی طرح بادشاہ کو سورج کی مثال اور چاند کو وزیر کی مثال دیتے ہیں ۔ اگر کوئی شخص آفتاب کو خواب میں دیکھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ بادشاہ سے ملے اور چاند کو خواب میں دیکھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وزیر سے ملے ۔ حق تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ یعنی اللہ کے نور کی مثال مانند طاق کے ہے کہ اس میں چراغ ہے اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہے اور اللہ پاک ہے اس سے کہ مصباح اور زجاجہ یعنی چراغ اور قندیل اور طاق اور درخت و زیتون اس کی مثل ہوں (ہاں اس کے نور کی مثال ہیں) اور قرآن کو حبل متین یعنی مضبوط رسی سے تعبیر کیا ۔ اور شک نہیں ہے کہ رسی مثل قرآن نہیں ہاں مثال ہے عالم خواب عالم مثال ہے اور حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے اور مشرف بزیارت ہونے کی کیفیت بھی اسی طرح ہے ۔ اس کلام کی پوری تحقیق امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل سے معلوم کرنی چاہئے اور اللہ توفیق دینے والا ہے ۔

دنیا میں اللہ سبحانہ کو سر کی آنکھ سے دیکھنے میں بیداری کی حالت میں دو قول ہیں اُستاد ابوالقاسم قشیری صاحب رسالہ نے فرمایا کہ عدم جواز کا قول صحیح ہے یہ گفتگو جواز اور امکان میں ہے ۔ اور عدم وقوع میں سب کے نزدیک محقق ہو چکا کہ سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے (کہ شب معراج میں حسب روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دیدار ہوا) اور کسی کو میسر نہ ہوا ۔

محدثین اور فقہاء متکلمین اور مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ اولیائے اللہ میں سے کسی کو (دنیا میں سر کی آنکھوں سے) دیدار پروردگار میسر نہیں ہوا ۔ کتاب تعرّف میں لکھا ہے مشائخ میں سے کسی نے رویت کا دعویٰ نہیں

کیا اور نہ کسی سے ثبوت کو پہنچا مگر جاہلوں کے گروہ سے کہ انھیں کوئی نہیں جانتا۔ مشائخ اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ رویت کا مدعی کاذب اور جھوٹا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی رویت کا دعوی کرنا معرفت کے حاصل نہ ہونے کی نشانی ہے جس نے یہ دعوی کیا حقیقت میں اُس نے اللہ تعالےٰ کو نہیں پہچانا۔ شیخ علاءالدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح تعرف میں فرمایا ہے کہ اگر کسی معتبر سے نقل اس کی صحت کو پہنچے تو اس کی تاویل کرنی چاہیے۔ تفسیر کواشی میں مذکور ہے کہ سر کی آنکھ سے رویت آلہی کا معتقد مسلمان نہیں ہے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد درست ہے۔ اردبیلی نے کتاب انوار میں جو شافعی فقہ کی کتاب ہے لکھا ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو دنیا میں (سر کی آنکھ سے) دیکھتا ہوں اور اُس کے ساتھ بالمشافہہ کلام کرتا ہوں وہ کافر ہے۔ اور عقیدہ منظومہ میں یہ اشعار ہیں۔

وَمَنْ قَالَ فِی الدُّنْیَا یَرَاہُ بِعَیْنِہٖ ؏ فَذٰلِکَ زِنْدِیْقٌ طَغٰی وَتَمَرَّدَا

وَخَالَفَ کُتُبَ اللّٰہِ وَالرُّسُلَ کُلَّھَا ؏ وَزَاغَ عَنِ الشَّرْعِ الشَّرِیْفِ وَاَبْعَدَ

وَذَالِکَ مِمَّنْ قَالَ فِیْہِ اٰلھنَادُ ؏ یُرٰی وَجْھُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَسْوَدَا

ترجمہ اور جس شخص نے کہا کہ وہ اللہ کو دنیا میں اس آنکھ سے دیکھتا ہے وہ شخص زندیق ہے اس نے گمراہی اختیار کی اور سرکش ہوا اور مخالفت کی اللہ کی کتابوں کی اور اس کے تمام رسولوں کی اور شرع شریف کے راستہ کے خلاف ہو گیا اور دور ہو گیا۔ یہ اُن اشخاص میں سے ہے جن کی نسبت اللہ نے فرمایا کہ ان کا چہرہ قیامت کے دن سیاہ نظر آوے گا۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** نہیں پھرنا گناہ سے اور نہیں قوت نیک کام کرنے کی مگر ساتھ مدد اللہ تعالےٰ۔ خَالِقٌ لِجَمِیْعِ الْاَشْیَاءِ اللہ تعالےٰ پیدا کرنے والا تمام چیزوں کا ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اُن سب کی ذات اور اُن کے کام اللہ کے پیدا کئے ہوے اور اُس

کی قدرت سے ہیں۔
وَمُقَدِّرُهَا وَمُقَدِّرُهَا تدبیر کرنے والا ہے، کاموں کا اندازہ کرنے والا تمام چیزوں کا انجام معلوم کرکے ایسی درستی سے بنانا کہ ان میں کوئی نقصان پیدا نہ ہو اور تقدیر قدر مخصوص اور اندازہ معین سے جو ازل میں ہو چکا تھا اشیار کو پیدا کرنا۔ خیر و شر اور نفع و ضرر حسن و قبح تمام قضا و قدر الٰہی سے ہیں۔
وَعَالِمُ الْجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ اور اللہ تمام اشیار کا عالم ہے جزء و کل تمام عالم کے ذرات میں سے کوئی ایک ذرہ اس کے علم سے باہر اور غائب نہیں ہے۔
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔
وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ شَيْءٌ کوئی چیز اس پر واجب اور لازم نہیں ہے نہ لطف اور نہ قہر اور نہ ثواب نہ عقاب۔ خدا وہ کرتا ہے جو چاہتا ہے خدا پر کچھ حکم نہیں کر سکتے عبادت کرنے والوں کو ثواب اس کے فضل سے ہے اور گناہ گاروں کو سزا اس کے عدل سے ہے اللہ جل شانہ ہر حالت میں قہر میں عدل میں فضل اور کرم میں محمود ہے کسی کو اس پر استحقاق اور حق لازمی نہیں ہے ہاں اس نے خود فرمایا ہے کہ فرمانبرداروں کو ثواب دونگا اور نافرمانوں کو عذاب کروں گا یقیناً ایسا ہی ہوگا جیسا اس نے فرمایا لیکن یہ اس پر واجب نہیں ہے اور اگر بالفرض اس کے خلاف کرے کسی کی یہ طاقت نہیں کہ کہہ سکے ایسا کیوں کیا۔
وَلَا غَرَضَ لِفِعْلِهِ اس کو اپنے کاموں کے متعلق کوئی غرض نہیں اس واسطے کہ صاحب غرض اپنی غرض کے پورا کرنے کا محتاج ہوتا ہے لیکن اس کے ہر ایک کام میں حکمتیں ہیں کہ انسان ان کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز ہے اور جو فائدے ان حکمتوں سے پہنچیں وہ مخلوق کے واسطے ہیں۔ اللہ پاک کو ان فائدوں کی احتیاج نہیں خلقت کا موجود ہونا اور معدوم ہونا اور ان کے نفع اور نقصان پروردگار کی ذات کی نسبت یکساں ہیں وہ اپنی حقیقی اور ذاتی بخشش سے اور اپنے ارادہ سے جو چاہتا ہے کرتا ہے (اگرچہ ہر کام مصلحت سے ہوتا ہے) مگر رعایت حکمت اور مصلحت اس پر واجب

نہیں ہے جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَظَمَ شَانُہٗ
وَلَاحَاکِمَ سِوَاہُ اُس کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے صرف اسی کا حکم ہے واجب حرام اور حسن وقبح پر ثواب یا عذاب اسی کے حکم سے مرتب ہوتا ہے اچھا کام وہ ہے جس کا اس نے حکم دیا برا وہ جس کو اس نے منع فرمایا پس کام کا اچھا ہونا یا برا ہونا شارع کے حکم دینے یا منع کرنے کے متعلق ہے یہاں عقل کا کچھ دخل نہیں ہے کہ وہ حکم لگاوے یہ فعل اچھا اور موجب ثواب ہے اور یہ کام برا اور باعث عذاب ہے پس جن لوگوں کو دعوتِ اسلام نہ پہنچے جیسے پہاڑ کے رہنے والے کہ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں مرگئے اور آبادی والوں سے نہیں ملے آخرت میں ماخوذ اور معذب نہیں ہوں گے ہاں بعض مشائخ کے نزدیک ایمان نہ لانے اور اللہ تعالےٰ کی توحید کا اعتقاد نہ کرنے پر ماخوذ ہوں گے کیونکہ اسی قدر معلوم کر لینا کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ تمام صفات کمال سے موصوف ہے شرع شریف پر موقوف نہیں عالم کا تغیّر اور امکان دیکھ کر عقل کے نزدیک توحید صانع پر ایمان لانا واجب ہے۔
پہلے فریق کی دلیل قرآن شریف کی یہ آیت ہے وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ہم کسی کو عذاب نہیں کریں گے مگر جب کہ اس کے پاس رسول اسلام کی طرف بلاوے اور وہ اس کے بلانے کو نہ مانیں رسول کی مخالفت کریں تب عذاب کے مستحق ہوں گے اور یہ تاویل کرنا کہ مراد رسول سے اس آیہ شریفہ میں عقل ہے محض لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ شیخ کمال الدین ابن ہمام نے کہ محققین حنفیہ سے ہیں فریق اول ہی کی تائید کی ہے ابوالیسر بزدوی بھی اسی طرف ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔
فَالْحُسْنُ مَا حَسَّنَہُ الشَّرْعُ وَالْقَبِیْحُ الشَّرْعُ پس لازم آیا کہ فعل حسن اور نیک کام وہی ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کا حکم دیا اور فعل قبیح اور برا کام وہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا خود فعل

اپنی ذات میں نہ حسن ہے نہ قبح کیونکہ اچھے اور برے کی نسبت ثواب یا عذاب آخرت کا مترتب ہونا عقل کی دریافت سے باہر ہے۔ ہاں فعل کے متعلق مدح اور ذم کا ہونا مثلاً عدل کو اچھا جاننا اور ظلم کو برا سمجھنا یا علم کو صفت کمال اور جہل کو صفت نقصان خیال کرنا یہ عقل کے متعلق ہے اور عقل اس کو پہچانتی ہے۔

وَلِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةٌ اور اعتقاد کرنا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں اجسام اُن کے نورانی ہیں جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوں حقیقت ان کی ارواح مجردہ ہیں ان کا بدن ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتا ہے نہ مرد ہیں نہ عورت ہیں توالد و تناسل کا سلسلہ ان میں جاری نہیں۔ آسمان اور زمین بلکہ عالم کے تمام اجزاء پر فرشتے موکل ہیں کہ اس کے مربی اور مدبر و نگہبان ہیں اور ایک آدمی پر کئی کئی فرشتے مقرر ہیں بعض اعمال کے لکھنے پر اور بعض شیطان سے اور دیگر موذیوں سے بچانے پر مقرر اور محافظ ہیں تمام عالم علوی و سفلی میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ فرشتوں سے معمور نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ تمام خلقت کے دس حصہ ہیں جن میں نو حصے فرشتے اور ایک حصہ باقی مخلوقات ہے۔

اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فرشتوں کے بازو ہیں دو دو تین تین چار چار قرآن شریف میں فرشتوں کے واسطے بازوؤں کا ہونا ثابت ہے لہٰذا اس پر ایمان لانا اور اعتقاد کرنا واجب ہے اور واقعی مراد کو خدا تعالےٰ کے سپرد کرنا چاہیے یا یہ تاویل کی جاوے کہ بازوؤں سے مراد قوائے ملکی ہیں جیسا کہ حکم متشابہات قرآنی کا ہے واللہ اعلم اور عدد مذکور سے مراد حصر نہیں ہے کہ چار چار بازو تک فرشتوں کے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر دیکھے۔

مِنْهُمْ جِبْرَئِيْلُ تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب ہیں کہ عالم کے بڑے بڑے کاموں پر مامور ہیں اور ملک وملکوت کے اہم معاملات ان ان کے سپرد ہیں ایک ان میں جبریل علیہ السلام ہیں کہ علوم کا القار کرنا اور وحی کا انبیا علیہم السلام پر پہنچانا ان کے سپرد ہے۔
وَمِيْكَائِيْلُ دوسرے میکائیل علیہ السلام ہیں کہ مخلوقات کے رزقوں کا پہنچانا اور اُن کی مقدار ان کے سپرد ہے
وَاِسْرَافِيْلُ تیسرے اسرافیل علیہ السلام ہیں کہ صور کا پھونکنا پہلی بار واسطے ہلاک ہونے کے اور دوبارہ قبروں سے اٹھ کر محشر میں حاضر ہونے کے واسطے صور پھونکنا ان کے سپرد ہے وعزرائیل چوتھے عزرائیل علیہ السلام ہیں کہ تمام عالم کی ارواح کا قبض کرنا ان کے متعلق ہے۔ اکثر علمار یہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں لعبض علمار کا قول یہ ہے کہ چاروں فرشتے فضیلت میں برابر برابر ہیں۔ سوائے ان چاروں کے اور فرشتے بھی مقرب اور عظیم الشان ہیں اُن میں آٹھ فرشتے عرش کے اُٹھانے والے ہیں عظمت ان کے اجسام کی اس قدر ہے کہ ان کے کندھوں سے کان کی لو تک دوسو برس کے راستہ کی برابر مسافت ہے اور ایک روایت میں سات سو برس کے راستہ کی برابر فاصلہ آیا ہے۔
وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اور ہر ایک کے لیے ان فرشتوں میں سے اللہ تعالےٰ کے قرب اور بارگاہ میں مقام معلوم اور مرتبہ خاص ہے کہ اسسے تجاوز اور ترقی نہیں کرتے اور جو کمال کہ لائق ان کے حال کے ہو بالفعل ان کو حاصل ہے ان میں شوق تحصیل کمال کا نہیں اور جو چیز اُن کے حق میں بالقوہ ہو اس کو بالفعل نہیں کرتے کیونکہ شوق اس چیز پر ہوتا ہے جو حاصل نہ ہو اور مفقود ہو اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ ملائکہ میں عشق نہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت

نہیں ہے۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ خدا تعالےٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ ابلیس نے جو نافرمانی کی درحقیقت وہ فرشتہ نہ تھا بلکہ اصل خلقت میں جن تھا عبادت کے سبب فرشتوں میں شمار کیا جاتا تھا انجام کار اُس نے اپنی اصل کی طرف رجوع کیا بعض کہتے ہیں کہ فرشتے اور جن پیدائش میں ایک دوسرے کے قریب ہیں نار نور بھی رکھتی ہے اور دھواں بھی اگر دھواں اس میں سے جاتا رہے تو نور رہ جاوے۔ واللہ اعلم۔

وَلَہٗ کُتُبٌ اَنْزَلَھَا عَلٰی رُسُلِہٖ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں جو بعض انبیاء پر نازل کی ہیں اور سب کو ان کی متابعت کا حکم دیا ہے تمام کتابیں ایک سو چار ہیں جن میں چار کتابیں بڑی اور مشہور ہیں۔

مِنْھَا التَّوْرٰۃُ ان آسمانی کتابوں میں سے ایک توراۃ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اسی کتاب کے تابع ہیں۔ وَالزَّبُوْرُ دوسری کتاب آسمانی زبور ہے کہ داؤد علیہ السلام پر اُتری ہے۔ وَالْاِنْجِیْلُ اور تیسری کتاب آسمانی انجیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے۔

اور یہ تمام کتابیں بعد ذکر اللہ اور بیان احکام شرعی کے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اور ان کے احوال اور اوصاف سے پر ہیں۔ انبیاء سابقین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے عمدہ اوقات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مناقب اور محامد میں گذرتے تھے کہ حضور کے نام مبارک سے بارگاہ الٰہی میں تقرب اور توسل تلاش کیا کرتے تھے۔ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ اور چوتھی کتاب آسمانی قرآن شریف ہے کہ تمام کتب آسمانی کا خلاصہ ہے اور یہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اعجاز نظم قرآن شریف کا خلاصہ ہے جو کسی کتاب آسمانی میں نہیں دیعنی کوئی بشر قرآن شریف کی

تین آیتوں کے برابر نہیں بنا سکتا، توراۃ ضخامت میں اس قدر بڑی ہے کہ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کو یاد نہیں ہو سکتی تھی لیکن قرآن مجید باوجود اختصار کے سب کتابوں سے اعظم و اکمل ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ قرآن شریف ایسی کتاب ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں پرہیزگاروں کے واسطے باعث ہدایت ہے۔ تمام کتابیں اس حیثیت سے کہ خدا کا کلام ہیں برابر ہیں اگرچہ بوجوہ دیگر ایک دوسری سے افضل ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام نفس پیغمبر ہونے میں سب برابر ہیں جیسا کہ فرمایا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ نہیں فرق کرتے ہم رسولوں میں سے کسی میں مگر مراتب میں بعض بعض سے افضل ہیں جیسا کہ فرمایا الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ رسول بزرگی دی ہم نے بعض کو بعض پر۔

وَأَسْمَاءُهُ تَوْقِيفِيَّةٌ اور نام اللہ کے توقیفی ہیں یعنی سننے پر موقوف ہیں اور شرع شریف سے منقول ہیں پس جو نام شرع شریف میں آیا ہے اُسی سے اللہ کو پکار سکتے ہیں اپنی طرف سے نیا نام مقرر نہیں کر سکتے اگرچہ عقل کے نزدیک اس کا اطلاق درست ہو یا اس کے معنی اللہ کے نام کے مطابق ہوں مثلاً اللہ تعالیٰ کو شافی کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے جواد کہیں گے سخی نہیں کہیں گے عالم کہیں گے۔ عاقل نہیں کہیں گے۔ جاننا چاہیے کہ یہ ممانعت نام رکھنے میں ہے وصف کرنے میں ممانعت نہیں کیونکہ نام رکھنا ایک تصرف ہے کہ سوائے نام رکھنے والے کے اور کسی کو نہیں پہنچتا اور یہ گفتگو اُن ناموں میں ہے جو صفات اور افعال سے لیے گئے ہیں ورنہ اسماء اعلام میں کلام نہیں کہ ہر زبان ذات الٰہی کے واسطے موضوع ہے لیکن کفار کی زبان میں جو نام مخصوص ہیں اللہ تعالیٰ کو اُن سے پکارنا نہیں چاہیے کہ اس میں اندیشہ کفر کا ہے اور جاننا چاہیے کہ اسماء الٰہی ان ننانوے ناموں میں منحصر نہیں ہیں بہت سے نام ایسے ہیں کہ خلقت کو نہیں معلوم کرائے اور بعض اسماء الٰہی ایسے ہیں کہ خلقت اُن کو

جان نہیں سکتی اور شرع شریف میں بھی ان ننانوے سے زیادہ آئے ہیں لیکن ان اسماء کی شہرت ایک خاصیت خاص کے سبب ہے جو ان میں رکھی ہے چنانچہ فرمایا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ لِلّٰہِ تِسۡعَۃً وَّتِسۡعِیۡنَ اِسۡمًا مَنۡ اَحۡصَاھَا دَخَلَ الۡجَنَّۃَ یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو یاد رکھا جنت میں داخل ہوا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً کوئی بادشاہ کہے میرے ہزار سوار ایسے ہیں کہ جو شخص ان سے مدد چاہے مدد کرتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں فتح یاب ہوتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس بادشاہ کے پاس سوا ان ہزار کے اور سوار نہیں بلکہ بادشاہ کے سوار بیشمار ہیں مگر ان میں ہزار اس قسم کے ہیں کہ بیان کیے پس اللہ کے نام بیشمار ہیں لیکن ان ننانوے ناموں کے ذکر میں یہ خاصیت ہے کہ ان کے یاد کرنے سے جنت میں داخل ہوگا واللہ اعلم۔

وَھُوَ خَالِقٌ لِاَفۡعَالِ الۡعِبَادِ فَالۡکُفۡرُ وَالۡمَعۡصِیَۃُ بِاِرَادَتِہٖ وَتَقۡدِیۡرِہٖ لَابِرِضَاہُ اور اللہ ہی بندوں کے افعال کا پیدا کرنے والا ہے پس کفر اور گناہ اسی کے ارادہ اور تقدیر سے ہے مگر وہ کفر اور گناہ سے رضامند نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا اللہ تعالےٰ ہے پس بندوں کے افعال بھی اس کی پیدائش اور تقدیر سے ہیں کہ افعال بھی منجملہ اشیاء کے ہیں اور وہ عموماً تمام اشیاء کا خالق ہے خاص افعال عباد کی نسبت بھی فرمایا وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا غرض کفر و اور ایمان اور طاعت و عصیان نیکی اور بدی بندوں سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور تقدیر اور حکم سے صادر ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ ایمان اور طاعت اور نیکی سے رضامند ہے اور کفر و معصیت سے ناراض ہے چنانچہ فرمایا وَلَایَرۡضٰی لِعِبَادِہِ الۡکُفۡرَ یعنی اللہ اپنے بندوں سے کفر کرنے میں رضامند نہیں ہے۔ چاہنا اور پیدا کرنا دوسرا امر ہے اور راضی ہونا امر دوسرا۔ رضا جب

سمجھی جاوے کہ حکم کرے یوں کرو اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی حکمت کے سبب سے حکم کرتا ہے لیکن اس کا واقع ہونا نہیں چاہتا اور حکمت اس کی سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے مالک اپنے بندہ کی نافرمانی اور گناہ کا اثبات اور اظہار کرنا چاہے بندہ کو کسی کام کرنے کا حکم دے اور یہ نہ چاہے کہ وہ کرے تاکہ اس کا نافرمان ہونا سب پر ظاہر ہو جاوے اس جگہ امر و نہی کرنے میں حکمت اور فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ حقیقت بندوں کی جو علم ازلی میں پوشیدہ ہے وہ کھل جاوے اور یہ معلوم ہو جاوے کہ کون مطیع اور فرمانبردار ہے ———— اور کون فاسق اور غیر فرمانبردار ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

وَلِلْعِبَادِ اَفْعَالٌ اخْتِیَارِیَّۃٌ یُثَابُوْنَ بِھَا وَیُعَاقَبُوْنَ عَلَیْھَا اور واسطے بندوں کے افعال اختیاریہ ہیں جن کے کرنے سے اُن کو ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔ باوجودیکہ ہر کام اللہ تعالےٰ کے ارادہ اور تقدیر سے ہے بندہ بھی فاعل و مختار ہے کہ اپنے کام میں اختیار رکھتا ہے مجبور اور مضطر نہیں۔ ثواب و عذاب اسی اختیار پر مترتب ہے جو بندہ کو حاصل ہے۔

اوّل جاننا چاہئے کہ جبر و اختیار کے کیا معنی ہیں تاکہ اس مسئلہ کی حقیقت معلوم ہو۔ آدمی سے جو کام صادر ہوتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ پہلے کسی چیز کا تصور کرے اور اگر وہ چیز اُس کی طبیعت کے موافق ہو اس کے باطن میں اس کے کرنے کی خواہش پیدا ہو اور اُس خواہش کے پیچھے چلے اور اس کی طرف حرکت کرے اور اگر وہ چیز طبیعت کے مخالف نفرت اور کراہت اس سے دل میں پیدا ہو اور اس کے نہ کرنے کی حرکت کرے حالانکہ خواہش اور نفرت پیدا ہونے سے پہلے

اس چیز کا کرنا اور نہ کرنا ممکن تھا کرتا یا نہ کرتا خواہ مرتبہ تصور میں جو فعل کے ساتھ قوت قریبہ ہے یا تصور سے پہلے جو مرتبہ فعل سے دور تر ہے آدمی کی اس حرکت کو حرکت اختیاری کہتے ہیں اور جو فعل اس حرکت پر مترتب ہو وہ فعل اختیاری ہے۔

دوم یہ کہ کام سے پہلے اس کا تصور اور شوق اور خواہش نہ ہو بغیر خواہش کے رعشہ والے کی طرح حرکت صادر ہو اس حرکت کو جبری اور اضطراری کہتے ہیں۔ پس اختیار ان معنی سے جو قسم اوّل میں بیان کیا گیا اس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اس قسم کے اختیار کا انکار ایسا ہے جیسے کوئی شخص کہنے لگے آدمی کے کان نہیں یا آنکھ نہیں اور اگر کوئی شخص کہے کہ آدمی کی تمام حرکات اور اُس کے افعال قسم دوم سے یعنی مرتعش کی حرکت کی طرح ہیں یہ حس کا انکار کرنا ہے جس کو کوئی عاقل گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ شبہ پیش آجاتا ہے کہ آدمی کے افعال علم الٰہی اور ارادت ازلی اور قضا و قدر کے موافق وجود میں آتے ہیں اگر خدا تعالےٰ نے ازل میں جانا اور چاہا کہ فلاں فعل فلاں بندہ سے صادر ہو ضرور وہ کام اس بندہ سے ہو گا خواہ بے اختیار ہو جیسے حرکت اضطراری یا اختیار سے ہو اگر فعل اختیاری ہے پس انسان کا اس کام کے کرنے اور وجود میں لانے کا اختیار نہیں ہاں یہی کہا جا سکتا ہے کہ تصور اور خواہش سے کرنا اختیار میں داخل ہے اور نیز آدمی کو اگرچہ فعل میں اختیار ہے مگر اس کے مبادی میں یعنی جو موقوف علیہ ابتدائی اس کام کے ہیں اختیار نہیں دیا مثلاً اگر ان کی آنکھیں کھلی ہوں پھر نہ دیکھے یہ اس کے اختیار میں نہیں دیکھنے کے بعد اگر وہ شے مطلوب ہے اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے شوق بڑھتا ہے حرکت اس کام کے کرنے کی پیدا ہو جانی لازم ہو جاتی ہے پس آدمی کو اختیار ہے مگر اپنے اختیار میں اختیار نہیں رکھتا آخر الامر وہی بات قرار پائی جو علماء

کہتے ہیں۔
مُخْتَارٌ فِی فِعْلِهٖ وَمَجْبُوْرٌ فِی اِخْتِیَارِهٖ یعنی بندہ اپنے فعل میں مختار ہے مگر خود اختیار میں مجبور ہے یا یوں کہئے کہ ظاہر میں اختیار ہے اور باطن میں جبر ہے۔ اور درحقیقت مسئلہ قضاء و قدر اور بندہ کے با اختیار ہونے کا ایسا ہے کہ عقل اس میں حیران ہے سوائے عجز و سکوت کے چارہ نہیں۔ بات وہی ہے جو اللہ کریم نے فرمائی لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ یعنی وہ مالک علی الاطلاق ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ یہ کام کیوں کیا بندے پوچھے جاویں گے۔ اس موقف اور مقام میں کھڑا ہونا اور سوال و جواب کرنا نہیں چاہیے کہ پوشیدہ بھید ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کہ اہل طریقت کے استاد اور اہل حقیقت کے پیشوا ہیں فرماتے ہیں لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنِ مطلب حضرت امام کا یہ ہے کہ جبر فرقہ جبریہ کا مذہب ہے کہتے ہیں آدمی کو کچھ اختیار نہیں ہے اور اس کی حرکت جمادات کی حرکت کی طرح ہے۔ اور قدر فرقہ قدریہ کا مذہب ہے کہتے ہیں سب کام آدمی کے اختیار میں ہیں اور آدمی اپنے کام میں مستقل ہے اور اپنے افعال کا خالق ہے۔ پس حضرت ممدوح فرماتے ہیں یہ دونوں مذہب باطل ہیں اور افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ سچا مذہب توسط ہے جو مابین جبر اور قدر کے ہے۔

عقل اس توسط کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز اور حیران ہے اور فی الواقع یہ حیرانی اور سرگردانی بحث کرنے والے کے واسطے ہے وہ لوگ عقل سے معتقدات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور جو چیز ان کی عقل میں نہ آوے اس کی تصدیق نہیں کرتے اور اس پر ایمان نہیں لاتے اور ہم ایمان والوں کو دعویٰ مذکور کے ثبوت پر دلیل قطعی کلام الٰہی کافی ہے جس میں موجود ہے کہ تمام کام اللہ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے ہوتے ہیں۔

اور باوجود اس کے طاعات اور معاصی کو بندوں کی طرف نسبت کر کے فرمایا
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ خدا ان پر ظلم نہیں کرتا
لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ
اور اللہ نے پیدا کیا تم کو اور ان کاموں کو جو تم کرتے ہو۔ ان دونوں آیتوں
میں دونوں امر کا اثبات کیا پیدا کرنا اپنی نسبت بتلایا اور عمل کو بندوں
کی طرف منسوب کیا لہٰذا ایمان لانا چاہیئے کہ دونوں حق ہیں اور اعتقاد کرنا
چاہیئے کہ خدا کی طرف سے پیدا کرنا اور بندہ کی طرف سے عمل کرنا ہے ہاں
اس کی حقیقت اور کنہہ ہمارے علم سے باہر ہے۔

دوسرے یہ کہ شریعت اور امر و نہی کا ثبوت اختیار کی فرع ہے لہٰذا
اختیار کا قائل ہونا ضروری ہے اور قضاء و قدر کا مسئلہ شارع علیہ السلام
کے بتلانے سے معلوم ہوا جب دونوں شرع سے معلوم ہوئے پھر نزاع
و جدال کس واسطے ہے دونوں پر ایمان لانا لازم ہے پس امر متوسط پر اعتقاد
کرنا واجب ہوا اور فی الواقع اس مسئلہ میں خوض کرنا جہالت اور گمراہی کی
نشانی ہے کوئی عمل اور کوئی حقیقت اس کی بحث پر موقوف نہیں۔ عمل
کرنا چاہیئے اور حقیقت کا جاننے والا اللہ ہے۔ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ
عمل کرو ہر شخص آسان کیا گیا ہے اس کام کے واسطے جس کام کے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔
اگر شارع علیہ السلام سے سن کر پھر تردد اور خلجان دل میں باقی رہے تو
اس سے بہتر کسی اور دین کا فکر کرنا چاہیے (و نعوذ باللہ من ذالک )
ایمان کی حقیقت تو یہی ہے کہ جب تو شارع علیہ السلام سے کچھ سنے فوراً یقین لاوے
اور اگر تو نے اپنی عقل پر ایمان کو موقوف رکھا ہے درحقیقت تو اپنی عقل پر ایمان
لایا ہے شارع علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا۔ ہم کو اس مسئلہ پر (جبر و اختیار)

---

مترجم کہتا کہ منفذ الایمان میں مولانا رحیم بخش نے تفسیر فتح العزیز سے مسئلہ (باقی اگلے صفحہ پر)

کے اثبات میں پہلے سے اسی مسلک پر چلنا چاہیے تھا اور اس رسالہ کی توسط وضع بھی اسی مسلک پر ہے مگر کیا کیا جاوے قلم کی طبیعت میں طغیانی ہے۔ خدا تعالےٰ ہم کو خطا اور خلل سے بچاوے اور ہمیں ہم پر نہ چھوڑے وَاللّٰہُ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اللہ جسکو چاہے گمراہ بنادے جسکو چاہے ہدایت کرے پیدا کرنے والا ہدایت اور گمراہی کا بندے میں خدا تعالےٰ ہے جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے سیدھے راہ پر لاوے۔ جس کو وہ گمراہ کرے

---

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) جبر و اختیار و قضا قدر میں جو عبارت نقل کی ہے اس کا یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کام اس لیے کیا کہ ہماری تقدیر میں لکھا تھا کہ تقدیر کے حقیقت سے غافل ہیں قضا و تقدیر کے معنی یہ ہیں کہ علم اللہ تعالےٰ کا بسیط ہے ذرہ ذرہ کو شامل ہے پس وہ روز ازل سے جانتا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت میں فلاں کام کرے گا وہی اس نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اور وہی ہر شخص کی تقدیر ہے اگر یہ آدمی اس کام کا کرنے والا نہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ اس کی تقدیر میں کیوں لکھتا جب تقدیر کے یہ معنی ہوئے تو اس سے ثابت ہوا کہ تقدیر آدمی کے افعال کے تابع ہے نہ یہ کہ اس کے افعال اس کی تقدیر کے تابع ہوں اب یہ جو کہتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں لکھا تھا جو ہم سے یہ کام ہوا وہ تقدیر کے معنی اُلٹے سمجھے ہیں کہ اپنے افعال کو تقدیر کے تابع سمجھتے ہیں اور یہ اُلٹی تقدیر ان کو سزا سے نہیں بچا سکتی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی حاکم اپنے دو نوکروں کو دو کاموں کے لیے بھیجے اور اپنی قیافہ شناسی سے معلوم کر کے اپنے مصاحبوں سے کہہ دے کہ ان دونوں میں فلاں آدمی تو دیانت دار معلوم ہوتا ہے اسے اسے جس کام کو بھیجا ہے ضرور سرانجام دے گا اور وہ دوسرا آدمی خائن معلوم ہوتا ہے خیانت کرے گا اور کام کو بگاڑے گا۔ پھر وہ دونوں آدمی ایسا ہی کریں تو قصورمند اگر یہ دلیل پیش کرے کہ آپ نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ خائن ہے اس لیے میں نے یہ کام بگاڑا اور خیانت کی نہ آپ مجھ کو خائن کہتے نہ میں ایسا کرتا میرا کیا قصور ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

کوئی اس کو راہ راست پر نہیں لاسکتا اور جس کو وہ ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ قرآن اور حدیث دونوں سے یہی ثابت ہے ہاں قرآن شریف اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہدایت کی نسبت کرتے ہیں۔ شیطان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہدایت کی نسبت کرتے ہیں۔ شیطان اور بتوں کی طرف گمراہی کی نسبت کرتے ہیں۔ ہم کو دونوں پر ایمان اور دونوں پر اعتقاد رکھنا چاہیے۔

اور دراصل ہدایت کے دو معنی ہیں ایک سیدھا راستہ بتلانا دوم سیدھے راستہ سے مقصود تک پہنچا دینا۔ یہ دوسرے معنی اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں اور ہدایت کے پہلے معنی قرآن شریف اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں ثابت ہیں کہ دونوں سیدھا راستہ بتلاتے ہیں مگر سیدھے راستہ سے مقصود تک پہنچانا یہ اللہ ہی کا کام ہے پس اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ اور وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ دونوں مطابق ہوگئے۔ یعنی اِنَّکَ لاتھدی میں دجس کے معنی یہ ہیں

---

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) تو سزا سے نجات کسی طرح نہیں پا سکتا کیونکہ حاکم کہے گا میں نے تیرا قیافہ معلوم کر کے اپنے مصاحبوں سے تیرا یہ حال کہہ دیا تھا تجھے خیانت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس سے تجھ کو منع کیا تھا کہ ایسا کرے گا تو سخت سزا پائے گا اس وعدہ کے بموجب اب تو واجب السزا ہے اس تقریر کی رو سے جب آدمی کے فعل اس کی تقدیر کے تابع نہ ہوئے تو وہ اپنے اختیار میں مجبور نہ ہوا ۱۲۔ مترجم کہتا ہے حضرت علامہ مصنف تفسیر فتح العزیز نے سمجھانے کے واسطے یہ تقریر بیان فرمائی اس سے یہ مطلب نہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ بلکہ بنظر غور اسی سے واضح ہوگیا کہ خالق افعال عباد اللہ ہی ہے بندہ کاسب اور وہ خالق ہے نہ بالکل مختار ہے اور نہ بالکل مجبور ہے واللہ اعلم ۱۲۔

کہ اے نبی آپ ہدایت نہیں کر سکتے) نفی مقصود تک پہنچانے کی ہے اور وانک لتھدی (جس کے معنی یہ ہیں کہ اسے نبی آپ ہدایت کرتے ہیں) اثبات راستہ بتانے اور طریق مستقیم پر چلانے کا ہے۔ پیغمبر کو ہدایت کا سبب اور شیطان کو گمراہی کا سبب بتایا ہے اور درحقیقت سب اللہ کی طرف سے اللہ ہی ہدایت کرنے والا اور وہی توفیق کا عطا کرنے والا ہے وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِ وَ الْفَاسِقِ وَتَنْعِيمُ اَهْلِ الطَّاعَةِ بِمَا يَعْلَمُ اللّٰهُ وَ يُرِيْدُهٗ وَسَوَالُ مُنْكَرٍ وَ نَكِيْرٍ حَقٌّ اور عذاب قبر کا کافر اور فاسق کے واسطے اور راحت و آرام فرمانبرداروں کے واسطے جس طرح اللہ کے علم میں ہے اور جس طرح اس نے ارادہ کیا اور قبر کے اندر منکر و نکیر کا بندہ سے سوال کرنا یہ سب حق ہے۔

اہل سنت و جماعت کے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر میں کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا۔ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا اور اور آخرت کے درمیانی واسطہ ہے اس عالم میں جس طرح خدا چاہے اور اس کے علم میں جس طرح ہے کافر اور فاسق عذاب اور تکلیف میں رہیں گے اور مومن اور فرمانبردار عیش و نعمت میں رہیں گے اور منکر و نکیر دو فرشتے ہیں عظیم الجثہ ہیبت ناک کالی صورت نیلی آنکھیں قبر میں آتے ہیں اور بندہ سے اس کے پروردگار اور رسول اور دین کی بابت سوال کرتے ہیں اگر اللہ کریم کی توفیق اور تعلیم سے ان کے سوال کا جواب بندہ نے صحیح دیا تو اس پر آرام و راحت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ نئی دلہن کی طرح آرام سے سوتا ہے اور اس کے حق میں قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے۔ اور اگر (معاذ اللہ) جواب ٹھیک نہ دیا محنت و عذاب میں گرفتار ہوا اور قبر اس کے حق میں دوزخ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہو جاتی ہے۔

جب آیات و احادیث سے عذاب و ثواب عالم برزخ ثابت ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی کیفیت علم الٰہی کے سپرد کرنی چاہیے خواہ بدن کو زندہ کر کے یہ عذاب ہو یا مقابلہ میں روح کے ہو یا کسی اور طرح ہو اس کا علم قادر مطلق کو ہے جس طرح عذاب دے یا مومن کو نعمتوں میں رکھے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ گنہگاروں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں اُن کا نام منکر و نکیر ہے اور فرمانبرداروں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں اُن کا نام مبشر و بشیر ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے اور اس کا ذکر احادیث میں کم ہے اور کہتے ہیں سوال کرنے والے فرشتوں کی جماعت زیادہ ہے۔ بعض کا نام منکر بعض کا نام نکیر ہے ہر قبر میں دو فرشتے ان ناموں کے آتے ہیں جیسا نامہ اعمال لکھنے کے واسطے ہر ایک بندہ کے واسطے دو فرشتے مقرر ہیں اور ممکن ہے کہ دو ہی فرشتے ہوں اور متعدد مقامات میں ایک ہی وقت متمثل ہو جاتے ہوں واللہ اعلم۔

صاحب خلاصہ بزازی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ سوال بعد دفن کرنے میت کے ہوتا ہے بلکہ آدمیوں کے غائب ہونے کے بعد اور جو میت کو تابوت میں دوسری جگہ منتقل کرنے کی نیت سے رکھیں اس سے نہیں کیا جاتا۔ اگر کسی کو درندے نے کھا لیا ہے درندے کے پیٹ میں اس سے سوال ہوتا ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے سوال نہیں ہوتا اور اگر سوال ہوتا ہے بطور تعظیم اور بزرگی کے توحید اور امت کے احوال سے ہوتا ہے مومنین کے بچوں میں اختلاف ہے اکثر کہتے ہیں کہ ان سے سوال ہوتا ہے مگر فرشتے سوال کے بعد ان کو تلقین کر دیتے ہیں کہ کہہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میرے رسول ہیں اور اسلام میرا دین ہے۔ یا اللہ تعالیٰ ان کو الہام

کرتا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو طفلی میں الہام کیا۔
اور مشرکین کے بچوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے توقف کیا بسبب تعارض دلیلوں کے اور ان کو عذاب ہونے یا ثواب ملنے بھی علماء نے توقف کیا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ دوزخ میں جاویں گے بعض کہتے ہیں بہشت میں جاویں گے۔ محمد بن حسین کہتے ہیں کہ مجھے اس امر کا یقین ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو بے گناہ عذاب نہیں کرے گا۔ جنوں سے بھی سوال ہوگا کیونکہ دلائل سوال[1] ہونے کے عام ہیں جن و انسان دونوں کو شامل ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان جنات کو ثواب ملنے میں توقف کیا ہے اور کافر جن بالاتفاق عذاب کئے جائیں گے۔ امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ کافر مجاہر سے یعنی جو علانیہ کافر ہے سوال نہیں ہوتا بلکہ بغیر سوال کئے اس کو عذاب دیتے ہیں البتہ منافق سے سوال قبر میں ہوتا ہے اور بعض شارحین نے کہا کہ شہید اور مرابط فی سبیل اللہ (یعنی جو جہاد کے موقعہ پر پاسبانی کی خدمت بجالاوے) اور جو شب جمعہ یا روز جمعہ کو وفات اور جو ہر رات سورہ ملک پڑھا کرے اور جو استسقا یا اسہال کی بیماری میں مرے یہ سب مستثنیٰ ہیں۔ ان سے قبر میں سوال نہیں ہوگا کہ اس باب میں احادیث وارد ہیں۔ امام ترمذی اور ابن عبدالبر نے یہ بھی کہا ہے کہ قبر کا سوال اس امت عظمیٰ کے واسطے مخصوص ہے۔ کہتے ہیں حکمت اس میں یہ ہے کہ عالم برزخ میں گناہوں کی آلائش سے پاک ہو کر قیامت کے دن تمام گناہوں سے پاک آٹھیں مشرح عقیدہ

---

[1] مترجم کہتا ہے آیہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ سے جنات کا انسان کی طرح مکلف ہونا ثابت ہے اور جملہ مکلفین کی نسبت فرمایا ہے کہ اُن سے سوال ہوگا كَمَا قَالَ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ پس معلوم ہوا کہ جنات سے بھی سوال ہوگا۔ ۱۲

طحاوی میں بھی اسی طرح ہے اور تنعیم عذاب قبر کہ سب کو ہے یا اس مسئلہ میں توقف کہ پہلوں کو ہے یا نہیں۔ دونوں مذہب منقول ہیں واللہ اعلم۔

حبان کی حدیثوں میں آیا ہے کہ گنہگار کی قبر میں ستر ستر بچھو اور اژدہا ایسے ہوں گے کہ اگر ان میں سے ایک بھی دنیا میں سانس لے یعنی پھنکار مارے تمام دنیا اور دنیا کے درخت جل کر خاک ہو جائیں اور درحقیقت وہ سانپ اور بچھو برے کاموں اور گناہوں اور تعلقات دنیاوی کی صورتیں اس عالم میں متمثل ہوگئی ہیں۔ سانپ بچھو بن کر کاٹتے ہیں۔ ستر کی تعداد یا بغرض کثرت ہے۔ یعنی سانپ بچھو بہت ہوں گے یا شارع نے اصول صفات کی گنتی پر اطلاع دی ہے کہ بری صفتیں اور گناہوں کی جڑیں دنیا میں ستر ہیں یعنی جس نے سب قسم کے گناہ کئے اور سب بُری صفتیں اپنے اندر پیدا کیں اس کی قبر میں پورے ستر ہوں گے اور جس نے کم کیے اس کے واسطے کم ہوں گے۔

اس پر اور اس کی مانند اور آخرت پر مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے جن کی خبر دی ہے ایمان اور اعتقاد کرنے کے دو راستہ ہیں ایک یہ کہ سانپوں اور بچھوؤں کا وجود ظاہر میں ہے اور کاٹنا ان کا میت کو واقعی ہے لیکن ہم ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ان آنکھوں سے ہر شخص عالم ملکوت کی باتیں نہیں دیکھ سکتے مگر (جو لوجہ صفائی باطن) عالم ملکوت تک پہنچ گئے ہیں وہ دیکھ لیتے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام اور بعض اولیاء چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے تھے ——— آپ کے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا تھا مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا دکھا دیا۔ اور یہ آپ کا دیکھنا یا اور کو دکھانا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے خواہ اجسام ہوں یا ارواح ہوں اگر پہاڑ سامنے ہو اور آنکھ کھول کر دیکھے اور خداوند کریم کو دکھلانا منظور نہ ہو تو نہیں دیکھ سکتا اور اگر خداوند کریم کو دکھلانا منظور ہو ارواح کو دیکھ سکتا

ہے۔ ایمان کا امتحان اور اعتقاد کی صحت اور احادیث کی پیروی اِسی راستہ کے اختیار کرنے میں ہے۔

اور دوسرا راستہ جو ادنےٰ درجہ کا ہے وہ یہ ہے کہ اعتقاد کرے کہ دیکھنا ان سانپ اور بچھوؤں کا اور انکا اذیت پہنچانا خواب میں دیکھنے کے مانند ہے کہ سونے والا دیکھتا ہے اور تکلیف اٹھاتا ہے اور دیکھنے والوں کو ظاہر میں کچھ معلوم نہیں ہوتا مگر سونے والے کے حق میں وہ موجود ہیں۔ اگرچہ مقصود اس دوسرے راستہ سے بھی حاصل ہے لیکن ایسے اعتقاد والا ضعیف الایمان ہے اور پہلے راستہ کے موافق اعتقاد رکھنے والا پختہ اور سلامتی کے قریب ہے واللہ الموفق۔

وَالْبَعْثُ حَقٌّ پروردگار تعالےٰ کا قبروں سے مردوں کو اٹھانا اور مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنا حق اور ثابت ہے تمام قرآن شریف اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دوبارہ زندہ کرنا مذکور ہے۔ دین اسلام اور مسلمانی کا مدار اِسی پر ہے جس ذات پاک نے اوّل ہی عدم صرف اور نابود محض سے تمام عالم کو پیدا کیا وہ یقیناً قادر ہے کہ دوبارہ عالم کو زندہ کرے اور وجود میں لاوے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دوہراوے گا اور وہ آسان ہے اس پر۔

اور در حقیقت آدمی کا بیج کہ اس کے پیدا ہونے اور بڑھنے کا سبب ہے جس کو عجب الذنب یعنی ریڑ کی ہڈی کہتے ہیں اس کو اجزار زمین میں پوشیدہ رکھتے ہیں جس طرح گھاسوں اور درختوں کا بیج ریت مٹی میں دبا ہوا رہتا ہے اور برسات کا مہینہ برستے ہی یک بارگی اُگ جاتے ہیں اسی طرح تمام آدمی اور تمام خلائق پیدا ہو جاویں گے حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن آسمان سے مینہہ برسے گا اس کے سبب سے تمام انسان وحیوانات اور پرندے اور حشرات الارض

پیدا ہو جاویں گے اور اللہ انصاف فرماوے گا اور ایک کا بدلہ دوسرے سے دلاوے گا۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں حدیث ہے کہ قیامت کو تمام خلائق ایک دوسرے سے بدلہ لیں گے یہاں تک کہ دنیا میں اگر سینگ والی بکری نے بے سینگ والی کو مارا ہوگا۔ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹی کو ناحق ستایا ہوگا یہ بھی ایک دوسرے سے قصاص لیں گے۔ جب باوجود تمیز اور تکلیف نہ ہونے کے جانوروں میں قصاص ہوگا تو بعض علماء نے اسی پر قیاس کر کے کہا ہے کہ ایک لڑکے کا بھی دوسرے لڑکے سے بدلہ دلایا جاوے گا اور بعد بدلہ دلانے کے تمام حیوانات معدوم کر دیئے جاویں گے اور جن حیوانات کو ذبح کر کے کھایا ہے وہ بہشت کی خاک بنائے جاویں گے اور یہ مرنا اور زندہ ہونا اور قبروں سے اٹھانا قیامت کو صور کے نفخوں سے ہوگا پہلا نفخہ قیامت کے شروع میں ہوگا کہ اس سے تمام اہل زمین و آسمان کے دلوں میں دہشت اور ہول پیدا ہو جاویگا۔ خوف اور وحشت چھاوے گی اور تمام جاندار مر جائیں گے اور ہلاک ہو جاویں گے جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ اس دن پھونک ماری جاوے گی صور میں پس گھبرا جاویں گے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے دوسری جگہ فرمایا وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ اور پھونک ماری جاوے گی صور میں پس بیہوش ہو جاویں گے جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے۔

دوسرا نفخہ مردوں کو قبروں سے اٹھانے اور زندہ کرنے کے واسطے ہوگا کہ اس کے ہوتے ہی مردے قبروں سے نکلیں گے اور

منتشر ہوں گے یعنی میدان حشر کی طرف دوڑیں گے چنانچہ اسی آیہ کے آگے فرمایا ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ پھر صور پھونکی جاوے گی دوبارہ پس ناگہاں وہ کھڑے ہو کر دیکھتے ہوں گے اور جگہ فرمایا وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ اور صور پھونکی جاوے گی پس وہ دفعۃً قبروں سے پروردگار کی طرف دوڑیں گے اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہوگا۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ میں کلمہ مَن عالم آنے سے معلوم ہوا کہ اس فزع اور صعق یعنی گھبراہٹ اور بیہوشی کا اثر تمام اہل آسمان اور اہل زمین کو پہنچے گا۔ جن ہوں یا آدمی یا فرشتے اور اِلَّا مَنْ شَاءَ اللهُ جو استثنا کیا ہے اس میں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام اور حوریں اور فرشتے دوزخ کے محافظ اور جنت کے نگہبان اور عرش عظیم کے اٹھانے والے اور شہید شامل ہیں کہ ان کو بیہوشی نہیں ہوگی۔

قیامت کبھی نفخہ ثانیہ کے زمانہ پر اطلاق کرتے ہیں اور کبھی ابتدار اماتت یعنی نفخہ اوّل کے وقت سے جنّت میں داخل ہونے تک کے سارے زمانہ کو قیامت کہتے ہیں۔

اور فی الواقع اگر نظرِ عبرت سے دیکھا جاوے ہر روز یہ حال آدمیوں پر گذرتا ہے اور قیامت سے غافل ہیں اور شارع علیہ السلام کی خبروں میں شک کرتے ہیں۔ مثلاً جب شام ہوتی ہے اندھیرا ہو جانے سے سب جانوروں اور آدمیوں پر ہول اور خوف اور دہشت غالب ہوتی ہے اپنے اپنے گھروں اور گھونسلوں اور کونوں میں گھس جاتے ہیں اور رات میں سو جاتے ہیں بےحس و بےحرکت ہو جاتے ہیں گویا ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ حال نفخہ اولی کے اثر کی مانند ہے۔ جب صبح ہوتی ہے دفعۃً بے اختیار سب بیدار ہو جاتے ہیں اور اِدھر اُدھر چلنے پھرنے

لگتے ہیں یہ نفخۂ ثانیہ کے اثر کی مانند ہے فَسُبْحَانَ الْقَادِرِ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ پس پاک ہے قدرت والا کہ اپنی قدرت کاملہ سے جلاتا ہے اور مارتا ہے اور قیامت کو اُسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

وَالْوَزْنُ حَقٌّ۔ یعنی بندوں کے اعمال کا قیامت کے دن تو لاجانا حق ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کا علم سب چیزوں کو محیط ہے لیکن اس تولنے میں بہت حکمتیں ہیں ایک حکمت تو یہی ہے کہ بندوں کا حال خود اُن پر ظاہر ہو جاوے اور حکمتیں جو ہوں گی اُس کا علم اللہ کو ہے وہی خوب جانتا ہے اس پر ایمان لانا چاہیے اور کیفیت تولنے کی اور ترازو کی اللہ تعالےٰ کے علم کے سپرد کرنی چاہیے اسی قدر ایمان لانے کے واسطے کافی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ترازو حقیقی ہے اور اُس کے دو پلڑے ایک ڈنڈی اور زبان ہے کہ معلوم ہوتی ہے اور ہر پلڑا اُس کا زمین و آسمان کی مقدار سے زیادہ ہے۔ حضرت سلمان صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اگر زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ایک پلڑے میں رکھیں تو سما جاوے نیکیوں کا پلڑا عرش کے داہنے طرف جنت کے سامنے ہے اور بدیوں کا پلڑا عرش کے بائیں طرف دوزخ کے مقابل ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ترازو سے مراد ایک چیز ہے جس سے اعمال کا اندازہ معلوم ہوگا۔ غرض کسی طرح ہو اصل مقصود قیامت کے دن عدل کا ظاہر فرمانا ہے میزان گویا اس کی تمثیل ہے۔ یہ کلام بعض علماء کا درجہ تاویل میں ہے اور اصل وہی ہے جیسا کہ احادیث میں آیا کہ میزان حقیقتہً موجود ہے اسی پر ایمان لاویں اور عقل کے فریب میں آکر ایمان میں خلل نہ ڈالیں۔

اور جس کو تولیں گے یا وہ اعمال ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنی قدرت سے نیکیوں کی صورتیں نورانی اور بدیوں کی صورتیں ظلمانی اجسام بنا دے گا

اور وہ تو لے جاویں گے۔ یا اعمال کے صحیفے تولے جاویں گے کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے کاموں کے موافق ان کو ہلکے[1] اور بھاری کر دے گا۔ بطاقہ کی حدیث سے صحیفوں ہی کا تولا جانا ثابت ہے۔ بطاقہ کاغذ کے ٹکڑے کو کہتے ہیں جس میں کسی سامان کی قیمت لکھیں اور یہاں یہ مراد ہے کہ اگر کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو اس میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ایک کاغذ پر لکھ کر کہہ دیں گے وہ پلڑا بہت بھاری ہو جاوے گا اور بعض علماء نے دونوں حدیثوں میں تطبیق دے کر یہ قرار دیا ہے کہ اعمال اور صحائف دونوں تولے جائیں گے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ رکھیں گے ہم عدل کی ترازوئیں قیامت کے دن۔ اس آیہ شریفہ میں موازین جمع کا صیغہ لائے ہیں یہ میزان کی جمع ہے سو جمع کا لانا یا باعتبار ترازوؤں کے متعدد ہونے کے ہے کہ ہر امت یا ہر بندہ یا ہر عمل کے واسطے ترازو علیحدہ ہوگی یا باعتبار تعدد اوزان کے ہے یا اس ترازو کی عظمت اور کثرت اجزاء کے سبب جمع کا لفظ فرمایا۔

اور اس شخص کے اعمال کا تولنا جس نے ایک نیکی نہ کی ہو یا ایک بدی اس سے سرزد نہ ہوئی ہو واسطے اظہار رسوائی اور اس کی نافرمانی کے یا واسطے اظہار شرافت اور کرامت کے ہو گا۔ کافروں کے اعمال تولنے میں یہی حکمت ہوگی ورنہ کفار کے پاس نیکی کہاں اور ممکن ہے

---

[1] چنانچہ کلام الٰہی میں موجود ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ یعنی جس کے وزن بھاری ہو گئے وہ عیش پسندیدہ میں ہے اور جس کے وزن ہلکے ہوئے اس کی جگہ دوزخ ہے ۱۲۔

کہ حسنات کا ہونا کافر کے واسطے باعث تخفیف عذاب ہو۔ کہتے ہیں کہ آخرت کی میزان کا ہلکا ہونا اور بھاری ہونا دنیا کی ترازو کے خلاف ہوگا یعنی وہاں وہ پلڑا بھاری ہوگا جو اوپر کو اٹھ جاوے گا اور وہ ہلکا ہوگا جو نیچے جھک جاوے گا لیکن بطاقہ کی حدیث اس کا ذکر کرتی ہے واللہ اعلم۔

وَالْكِتَابُ حَقٌّ اور وہ کتاب کہ اس میں نیکیاں اور نافرمانیاں بندوں کی لکھی ہیں حق اور ثابت ہے مومنوں کو ان کی کتابیں یعنی اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں دیئے جاویں گے اور کافروں کے بائیں ہاتھ میں ان کی پشت کے پیچھے سے دیئے جاویں گے اس طرح کہ بایاں ہاتھ پست سے چپٹا ہوگا یا بایاں ہاتھ سینہ کی طرف سے پشت کی طرف کیا گیا ہوگا اور یہ سب مومنوں اور کافروں میں تمیز ہونے کے لیے ہوگا کہ جس سے مومن کی عزت ہو اور کافر کی رسوائی اور ذلت ظاہر ہو۔ یہ مومن فرمانبردار اور کافر کا حال بیان ہو۔ مومن گنہگار کے حال میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں داہنے ہاتھ میں دیں گے لیکن بعد سزا کے اور دوزخ میں سے نکلنے کے۔ بعض کہتے ہیں داہنے ہاتھ میں دیں گے مگر پڑھ نہیں سکے گا جب دوزخ سے نکلے گا تو پڑھے گا۔ بعض کہتے ہیں نہ داہنے ہاتھ میں دیں گے اور نہ بائیں ہاتھ میں دیں گے بلکہ سامنے سے دیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ میں نہیں دیں گے اس کا اعمال نامہ پڑھ کر سنادیں گے اور حق یہ ہے کہ اس باب میں کوئی نص صریح موجود نہیں اس واسطے عاصی کا حال موقوف ہے اور جس قدر یہ احتمالات بیان کیئے گئے بطریق اجتہاد واستنباط کے بیان کئے گئے واللہ اعلم۔

وَالْحِسَابُ حَقٌّ مقصود کتاب یعنی اعمال نامہ سے حساب ہے جب کتاب حق ہے حساب بھی حق ہے۔

وَالسُّوَالُ حَقٌّ اور پوچھنا اللہ تعالےٰ کا بندوں سے کہ دنیا میں کیا کیا کام کئے اور کونسی طاعت ادا کی اور کس معصیت میں مبتلا ہوئے یہ سب حق ہے۔ فرشتوں سے بھی حساب لیا جاوے گا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اوّل جبرئیل امین سے پوچھا جاوے گا کہ وحی کی امانت پیغمبروں کو کس طرح پہنچائی اور بعض احادیث میں ہے کہ اوّل لوح محفوظ سے حساب ہوگا اس کو حاضر کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے کانپتی ہوگی حکم ہوگا اے لوح تو نے جو جبرئیل کو علوم پہنچائے تیرا گواہ کون ہے عرض کرے گی میرا گواہ اسرافیل ہے اسرافیل حاضر کئے جاویں گے اور سب کے بدن پر اللہ تعالےٰ کی عظمت اور اس کے سوال کی ہیبت سے لرزہ پڑا ہوا ہوگا پھر پیغمبروں کو حاضر کیا جاوے گا اور اُن سے رسالت کے ادا کرنے اور اُس امانت کے پہنچانے کا سوال ہوگا (پھر سب سے) عبادات میں اوّل نمازکا سوال ہوگا اور معاملات میں خون کا سوال ہوگا۔ اور نیکیاں ظالم کی مظلوم کو دی جاویں گی اور بدیاں مظلوم کی ظالم پر رکھی جاویں گی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک[1] دانگ کے بدلے میں سات سو مقبول نمازیں دی جاویں گی۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ اگر بالفرض ایک مرد کے پاس ستر پیغمبروں کا ثواب ہو اور نصف دانگ کسی کا اُس کے ذمہ ہو تو جب تک اپنے دشمن کو راضی نہیں کرے گا بہشت میں نہیں جا سکتا۔

(عجب بات ہے) کہ ایسا دن درپیش ہو اور (نام کا خواجہ) عیش و عشرت میں مصروف ہو اور کہے جو کچھ میں نے پایا ہے کسی نے نہیں پایا اور جو میں سمجھا ہوں کوئی نہیں سمجھا عوام آدمی غفلت میں پڑے

---

[1] دانگ چھ رتی کا وزن

ہوئے ہیں اور علمار بحث مباحثہ میں گرفتار ہیں اور صوفیہ شیخی اور بڑائی و فخر میں اور حقیقت خوانی میں ہیں عالم آخرت سے بالکل بے خبر ہیں نہیں خیال کرتے کیا ہوگا اور کیا دن پیش آنے والا ہے تمام دن باتیں بنانے میں مشغول رہتے ہیں اور موت کا کچھ فکر نہیں کرتے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔

اے انسان اب تو خدا تعالےٰ کی رحمت کی طرف دیکھ کہ اگر وہ چاہے گا مدعیوں کو اس طرح راضی کر دے گا کہ اول ان کو جنت دور سے دکھاوے گا اور فرماوے گا اس کو کون خرید کرتا ہے وہ عرض کریں گے اے خداوند اس کو کون خرید سکتا ہے اور اتنی قیمت کس کے پاس ہے کہ بہت ہے فرمان ہوگا کہ تم خرید سکتے ہو اور اس کی قیمت تمہارے ہاتھ میں ہے اگر یہ حق اپنا جو اس بھائی مسلمان کے ذمہ ہے معاف کردو اور اس کو بری الذمہ کردو تو اس کے عوض تم کو جنت مل جاوے پس وہ راضی ہو جاویں گے اور بخشدیں گے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ سوال کے وقت اللہ تعالےٰ مومنوں کو اپنی رحمت و مغفرت کے پردے میں ڈھانک لے گا اور اُن سے اس طرح پوچھے گا کہ کسی کو خبر نہ ہوگی اور فرماوے گا جس طرح دنیا میں ہم نے تمہارے گناہوں کو چھپایا آج اپنی رحمت سے بخش دیا اور نیکیوں کے اعمال نامے ان کے ہاتھ میں دے دے گا۔ کافروں اور منافقوں کو رسوا کرے گا منادی آواز دے گا۔ اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ آگاہ ہو جاؤ ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے۔ سُبۡحَانَ ذِی الۡعَدۡلِ الۡقَوِیِّ وَالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡم پاک ہے اللہ قوی عدل والا اور بڑے فضل والا۔ اگرچہ اُس کا فضل اپنا کام کرتا ہے لیکن اس کے عدل سے خوف ہے۔

اگر در دہد یک صلائے کرم ٭ عزازیل گوید نصیبے برم

جیسے یہ بیت پڑھی دوسری بھی پڑھ۔

تہدید اگر برکشد تیغ حکم ؎ بمانند کر دبیان صم بکم

ایک جگہ قرآن شریف میں فرمایا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ آگاہ ہو تحقیق اللہ کے دوستوں کو خوف نہیں اور نہ وہ غم کریں گے۔ دوسری جگہ فرمایا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ خداوند کریم نہیں پوچھا جاتا اُس کام سے جو وہ کرتا ہے اور بندے پوچھے جاویں گے۔ سوائے عاجزی اور بے چارگی کے اور کچھ ہم نہیں کر سکتے ہم کو دونوں پر ایمان لانا چاہیئے باقی مالک اور حاکم وہی ہے واللہ علی کل شئ قدیر اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالْحَوْضُ حَقٌّ اور حوض کوثر حق اور ثابت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے دن حوض کوثر عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ کی تفسیر میں علماء نے اسی حوض کوثر کا ذکر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول ہم نے تمھیں حوض کوثر دی ہے اس کی مسافت ایک مہینے کے راستہ کے برابر ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے بہتر اور شہد سے زیادہ شیریں برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اس پر جو کوزے رکھے ہیں وہ گنتی میں آسمان کے تاروں سے زیادہ ہیں اور روشنی و چمک میں بہتر ہیں جو شخص ایک دفعہ اُس حوض کا پانی پیئے گا کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور اُس کا طول احادیث میں مختلف ہے اور اُس کا سبب مخاطبوں کے احوال کی رعایت ہے چنانچہ یمن والوں سے فرمایا صَنْعَا اِلیٰ عَدَنٍ یعنی حوض کوثر کا طول صنعاء شہر یمن سے عدن تک ہے شام والوں سے اور الفاظ میں فرمایا۔ پس ہر شخص کو جو مسافت معلوم تھی اور اس کی زبان میں مشہور تھی اس کو وہی بتلائی اور بعض احادیث میں تحدید زمانہ کے ساتھ

بھی بیان ہوئی ہے مثلاً جیساکہ گذرا کہ اس کا طول ایک مہینے کے راستہ کے برابر ہے حاصل معنی بیان کرنا حوض کی وسعت اور عظمت کا ہے۔

کہتے ہیں ہر پیغمبر کے واسطے ایک حوض ہوگا موافق ان کے مرتبہ کے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہیں دونوں کا نام کوثر ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ حوض کوثر کے ساقی ہوں گے۔ آج کے دن جو ان کی محبت سے سیراب اور ان کی زیارت کا پیاسا نہیں اس حوض میں سے اس کو پانی ملنا دشوار ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت نہیں ہوگی حوض کوثر کے پانی کا ایک قطرہ اس کو نہیں دوں گا۔

وَالصِّرَاطُ حَقٌّ اور پل صراط حق ہے حق تعالےٰ قیامت کے دن دوزخ کی پشت پر ایک پل رکھے گا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور تمام خلقت کو حکم فرمادے گا کہ اس پر سے گذریں لیں بہشتی اس پر سے گذر کر بہشت میں داخل ہوں گے کوئی چمکتی ہوئی بجلی کی طرح گذریگا بعض تیز ہوا کی مانند بعض تیز گھوڑے کی طرح۔ بعض اس سے کم یہ غرض ہر ایک کا پل صراط پر سے عبور کرنا اس کے دنیا میں اتباع اور ایمان کے موافق ہوگا۔ اگر دنیا میں صراط مستقیم اسلام پر پختہ رہا تو اس پل صراط پر سے حسب درجہ خود بآسانی گذر جاوے گا اور دوزخی پھسل کر دوزخ میں گریں گے اور قرآن شریف کی اس آیہ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا سے تو یہ ظاہر ہے کہ پل صراط پر سے عبور کرنا اور گذرنا عام ہے۔ تمام مخلوق کو یہاں تک کہ انبیا اور سردار انبیاء صلوٰت اللہ علیہ وعلیہم اجمعین سب پل صراط پر سے کہ دوزخ کی پشت پر ہے گذریں گے۔ بعض عشاق نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پل صراط پر سے گذرنے میں یہ حکمت ہے کہ بعض گنہگار جو بدقسمتی سے دوزخ

میں گرفتار ہوں گے آپ کا جمال باکمال اُن کے ایام فراق کی غمگساری کا سبب ہو گا۔

اور ایک روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیۃ کے عموم سے مخصوص ہیں آپ کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے سب آپ کے سامنے سے گذریں گے اور بیشک ایسا ہی لائق ہے اگر آپ آگ پر سے گذریں سب گلستان ہو جاوے جب مومن کے گذرنے سے آگ فریاد کرے گی اور کہے گی جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ اَطْفَاءَ لَهْبِیْ اے مومن جلدی میرے اوپر سے گذر جا تیرے ایمان کے نور نے میرا شعلہ بجھا دیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ نورا لانور مومنین ہیں آپ کے سامنے آگ کی کیا حقیقت ہے کہ ٹھیر سکے آپ کے نور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشانی میں کیا کام کیا اور کس طرح آگ کو گلزار بنا دیا اور جب بے واسطہ خود نورالانوار موجود ہو تو کیا کچھ اثر ہو گا۔

وَالشَّفَاعَۃُ حَقٌّ یعنی اللہ تعالیٰ سے گنہگاروں کے واسطے مغفرت چاہنا پیغمبروں کا اور اولیاء کا اور نیکوں اور علماء کا اور فرشتوں کا کہ ان کو بارگاہ الٰہی میں عزت و آبرو اور عرض معروض کرنے کی مجال حاصل ہے، حق ہے۔ اوّل دروازہ شفاعت کا حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھلوادیں گے جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ بارگاہ الٰہی میں حضور کا کس قدر درجہ اور کتنی آبرو ہے اور معلوم ہو جاوے گا کہ یہ دن خاص آپ ہی کے واسطے ہے اور آپ کا مرتبہ آپ ہی کے واسطے ہے اَللّٰھُمَّ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ اغفرلنا اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کے طفیل سے ہمارے گناہ معاف کر دے۔ جب حشر کے میدان میں تمام اہل عالم دوزخ کے خوف اور دہشت سے بیقرار اور حیران ہوں گے تو اس اضطراب اور بیقراری میں آرزو کریں گے کہ کوئی ہمارا شفیع ہووے جو اس عذاب سے بچاوے

اور ہمارے اس درد کی دوا کرے۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس آویں گے اور کہیں گے کہ آپ سب آدمیوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور سب چیزوں کے نام آپ کو سکھائے آج ہم کو سخت دن پیش آیا ہے ہماری شفاعت کیجیے آدم صفی اللہ کہیں گے کہ اس مقام پر کھڑا ہونا اور دم مارنا میرا کام نہیں ہے اس لیے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا قصور کیا اور درخت ممنوع کو کھا لیا اس شرمندگی سے میں اس لائق نہیں رہا۔ شاید یہ کام نوح سے ہو جاوے پس بموجب فرمانے آدم علیہ السلام کے تمام نوح علیہ السلام کے پاس جاویں گے اور نوح علیہ السلام اسی طرح یعنی عذر پیش کر کے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے ابراہیم علیہ السلام اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے موسیٰ علیہ السلام اسی طرح عذر کر کے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے سب پیغمبر اولوالعزم علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے[1] اپنے قصوروں کا اقرار کریں گے اور عذر پیش کر کے دہشت کے مارے اس مقام سے قدم آگے نہیں بڑھاویں گے آخرالامر حضرت خاتم المرسلین شفیع المذنبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] یعنی حضرت آدم علیہ السلام درخت ممنوع سے کھانے کا قصور یاد کریں گے اور نوح علیہ السلام اس دعا کو یاد کریں گے جو کافر پسر کے واسطے بچانے کو کی تھی اور معتوب ہوئے تھے ابراہیم علیہ السلام اپنے تین دفعہ جھوٹ بولنے کو یاد کریں گے حالانکہ وہ تینوں دین کے واسطے تھے اور ان میں تاویل تھی۔ موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کافر کو مکے سے مار ڈالنے کے قصور کو یاد کریں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے میری امت نے مجھے خدا کا بیٹا قرار دیا میں شرمندہ ہوں۔ بجز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کچھ نہ کچھ عذر کریں گے۔

کی خدمت میں حاضر ہوں گے کہ آپ کی شان میں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وارد ہوا ہے (اور بخشدیئے اللہ نے سب گناہ تیرے پہلے اور پچھلے) اور حاضر ہو کر حال عرض کریں گے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی وقت کھڑے ہو جاویں گے اور سراپردہ عزت وجلال میں حاضر ہوں گے حضور کو مقام محمود عطا ہو گا کہ حضور کے سوا اور کسی کو نہیں ملے گا جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا عَسٰی اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قریب ہے کہ پہنچا دے گا تجھ کو تیرا رب مقام محمود[1] پر بس آپ اللہ کو سجدہ کریں گے حکم ہو گا اے حبیب اپنا سر سجدہ سے اٹھا اور جو کچھ مانگتا ہے مانگ اور جو کچھ کہنا ہو کہہ۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر مبارک اٹھاویں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ان الفاظ میں کریں گے جو اللہ کریم ہی آپ کو سکھاوے گا اور کچھ حصہ اپنی امت کے گنہگاروں کا بخشوائیں گے۔ اس کے بعد دوسرا سجدہ کریں گے اور بحکم پروردگار سر سجدہ سے اٹھا کر اسی طرح پروردگار کی حمد و ثنا کریں گے اور ایک اور حصہ اپنی امت کے گنہگاروں کو بخشوائیں گے۔ پھر تیسری دفعہ سجدہ کریں گے اور اسی طرح بحکم پروردگار سر اٹھا کر خداوند کریم کی حمد و ثنا کر کے باقی امت بخشوائیں گے۔ اس وقت دوزخ میں وہی اشخاص باقی رہیں گے جن کے واسطے قرآن شریف میں ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم ہے اور وہ منکرین اور کافرین ہیں۔ یہ مضمون اس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب کے گناہ آپ ہی بخشوائیں گے اور کسی کی شفاعت کی ضرورت نہ ہو گی یا اوروں کو حضور

---

[1] مقام محمود کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف کریں گے کہ شفاعت کا دروازہ آپ کے سوا اور کوئی نہیں کھول سکا۔ ۱۲۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کی حاجت ہو گی اور حضور بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ بعد شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی شخص دوزخ میں نہ رہے گا مگر وہ لوگ کہ بجز لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ذرہ بھر بھی نیکی ان کے پاس نہ ہو گی سراپا گناہ ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے واسطے بھی شفاعت کرنے کا اذن چاہیں گے پروردگار فرماوے گا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ خاص ہمارے لیے ہیں ان کی شفاعت ہم اپنے سے آپ کریں گے اور ان کو دوزخ سے باہر نکالیں گے۔

حاصل کلام یہ شفاعت[1] کا دن اور شفاعت کا مقام اور یہ مرتبہ اور یہ کلام بالملک العلام سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہی سے مخصوص ہے حضور ہی اللہ کے مہمان ہیں اور سب طفیلی ہیں جیسا کہ خداوند کریم فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اے محمد اے میرے محبوب اے میرے مطلوب اے میرے خاص بندہ قریب ہے ایسی نعمت اور رحمت تیرے اوپر نثار کر دوں گا کہ تو خوش ہو جاوے گا اور کوئی

---

[1] یقیناً شفاعت حصّہ خاص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کتب علم کلام اور احادیث میں جہاں شفاعت کا ذکر ہے وہاں شفاعت کے اقسام شفاعت بالاذن اور شفاعت بالوجاہۃ اور شفاعت بالمحبوبیۃ نظر سے نہیں گذرے اس وقت کے بعض علماء معلوم نہیں کہاں سے قسم اوّل شفاعت کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ثابت کرتے ہیں باقی دو قسموں کی نفی کرتے ہیں۔ یہ تقسیم اور نفی جمہور کے خلاف ہے جس قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے وہ سب شفیع المذنبین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ثابت ہے ہمارا اپنے خیال سے شفاعت کے اقسام بنانا پھر بعض اقسام سے انکار کرنا کمال بے ادبی ہے۔

آرزو تیرے دل میں باقی نہیں رہے گی اے محمد سب میری رضا کے طالب ہیں اور میں تیری رضا کا طالب ہوں۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے میں ہرگز راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ میری امت کے تمام گنہگار نہیں بخشے جاویں گے۔ کہتے ہیں یہ آیہ شریف لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ تمہارے سب گناہ بخشے گا اسی امت کے واسطے مخصوص ہے۔ نوح علیہ السلام کی امت کے واسطے حکم ہوا یَغْفِرْ لَکُمْ مِنْ ذُنُوْبِکُمْ یعنی اللہ بخشے گا واسطے تمہارے گناہوں میں سے علم نحو کے قاعدہ کے موافق لفظ مِن تبعیض کا فائدہ دیتا ہے یعنی بعض گناہ معاف کئے جائیں گے۔ اس امت میں اللہ تعالےٰ کا فضل ہے اور ان کے ساتھ عدل ہے اسی قدر امیدواری اور بشارت گنہگاروں کو کافی ہے اُمَّةٌ مُّذْنِبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ امت گنہگار ہے اور پروردگار بخشنے والا ہے جب مہمان عزیز ہوتا ہے طفیلی بھی عزیز ہوتے ہیں۔ بیت۔

نومید نباشی گرت آں یار براند ❊ امروز براند نہ کہ فردات نخواند

اگر وہ تجھے نکال دے نومید نہ ہو آج نکالتا ہے مگر کل بلائے گا یعنی بخشدے گا۔ اے مخاطب حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت بن جا پھر سب کام آسان ہیں مشکل اسی وقت تک ہے کہ تو نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنا تعلق پورا نہیں کیا اگر تعلق سچا ہے تو پھر کچھ مشکل نہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد لاکھ گناہ ایک گھاس کے پتے کے برابر بھی نہیں اگر ایمان کے نور کا چراغ بندہ کے دل میں روشن ہے گناہوں کے اندھیرے کو وہاں کیا دخل ہے ایمان کا غم کھانا چاہیے یعنی ایمان درست کرنا چاہیے پھر کچھ فکر نہیں ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ تمام رات روتے رہے لوگوں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں آپ خوش رہیں کہ گناہوں کا بوجھ آپ کے اوپر

نہیں ہے حضرت ممدوح نے جواب دیا گناہ اگر پہاڑ کے برابر ہوں پرور دگار کی رحمت کے مقابلہ میں گھاس کے تنکے کے برابر نہیں۔ رونا تو اس واسطے ہے کہ ایمان دنیا سے سلامت جاتا ہے یا نہیں۔ بیت

ایمان چو سلامت بلب گور بریم ❊ اُحسنت بریں چستی و چالاکی

یعنی اگر قبر تک ہم ایمان سلامت ہمراہ لے جاویں ہماری اس چستی اور چالاکی پر ہزار آفریں ہے۔

اب جو بات شفاعت کے باب میں باقی رہی ہے اس کو تمام کئے دیتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ شفاعت کئی مقام پر ہوگی۔ اوّل موقوف میں یعنی محشر میں اس مقام پر سخت ہیبت اور دہشت ہوگی۔ کھڑے کھڑے سخت اذیت اور شدت اٹھاویں گے۔ یہاں اُن شدتوں کی تخفیف کے واسطے شفاعت ہوگی۔ دوسرے سوال اور حساب پیش ہونے کے وقت کہ سوال اور حساب میں آسانی ہو مناقشہ نہ ہو حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ عذاب میں گرفتار ہوا تیسرے عذاب کا حکم جاری ہونے کے وقت شفاعت ہوگی کہ قصور معاف فرمایا جاوے اور عذاب نہ ہو۔ چوتھے درکات دوزخ میں داخل ہونے کے بعد گنہگاروں کے قصور معاف ہوں اور دوزخ سے نکالے جاویں۔ پانچویں جنّت میں درجے بلند ہونے اور ثواب زیادہ ملنے کے باب میں شفاعت ہوگی جیسے کسی گنہگار کو بادشاہ کے روبرو کھڑا کریں اور وہ سخت دہشت میں ہو کوئی مقرب درگاہ اس کی سفارش کرے کہ اس کو بٹھا کر نرمی سے پوچھو پھر حساب لیتے وقت کوئی شفاعت کرے اور حکم ہو چھوڑ دو حساب نہ لو یا تھوڑا سا حساب نرمی سے لے لو پھر ثبوت جرم کے بعد قید کا حکم ہو اور شفاعت سے معاف ہو جاوے قصور بخشا جاوے قید خانہ سے نکالا جاوے اور بعد نکالنے کے کوئی شفاعت کرے اور منصب عالی عطا کیا جاوے۔

پس ہر گنہگار عاجز کو اُمید رکھنی چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب مواقع اور مقامات پر شفاعت فرماویں گے اور دوزخ سے نکال کر جنت کے اعلیٰ درجات میں پہنچائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

نصیب ماہست بہشت اے خداشناس برو ٭ کہ مستحق کرامت گناہ گاران اند

اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت عام بھی ہوگی تمام امت بلکہ تمام خلائق کے واسطے اور خاص بھی ہوگی۔ مثلاً مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً کے رہنے والوں کے واسطے اور روضہ شریفہ کی زیارت کرنے والوں کے واسطے اور آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں کے واسطے۔ محققین نے کہا ہے کہ شفاعت دراصل انوار رحمت الٰہی کا عکس ہے کہ وہ انوار بارگاہ رب العزت سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب شریف پر نازل ہوتے ہیں اور حضور کے قلب شریف سے اُن انوار کا عکس اُن دلوں پر پڑتا ہے جو حضور کے قلب شریف کے مقابل اور محاذی ہیں مثلاً آفتاب کی روشنی کا عکس پانی پر پڑتا ہے اور اس عکس سے جو چمک پانی میں پیدا ہوتی ہے اس کا عکس اُس دیوار پر پڑتا ہے جو پانی کی سطح کے مقابل ہو اور یہ شرف مقابلہ اور محاذات حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دل توجہ کرنے اور حضور کے اتباع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ زیادہ قوی سبب حصول اس عکس کا اتباع سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے جس قدر متابعت قوی ہوگی زیادہ عکس پڑے گا مگر درجات ملنے کی شفاعت کے متعلق ہے۔

اور گناہوں کی بخشش کے مقام پر شفاعت ہونے کے واسطے اصل ایمان کافی ہے۔ زیادہ موثر اس باب میں کثرت سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کا رات دن ظاہر اور باطن میں پڑھنا ہے صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ لَيْلًا وَّنَهَارًا ظَاهِرًا وَّ بَاطِنًا كُلَّمَا ذُكِرَ

کہ الذّاکرون و غفل عن ذکرہ الغافلون و باللہ التوفیق۔
وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ بہشت اور دوزخ جس طرح اور جس صفت سے کہ ان کا بیان قرآن اور حدیث میں ہے وہ حق ہے۔ جنّت اور دوزخ کے مکان میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ جنت پہلے آسمان پر ہے بعض چوتھے پر بتاتے ہیں ساتویں پر۔ دوزخ کو بعض زمین کے نیچے کہتے ہیں بعض آسمان کے اوپر۔ اور ایک جماعت کو دونوں میں توقف ہے کہتے ہیں کہ دونوں کے مکان اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ جنت و دوزخ دونوں کے مکان معین ہونے میں کوئی نص صریح نہیں ہے لیکن اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ بہشت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہے لیکن یہ مشکل ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ یعنی وہ جنت ایسی ہے کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ پس جبکہ اتنا بڑا ایک جنتی کا مکان ہو یا ایک جنت کا ہو تو اس کا وجود آسمان زمین میں سے ایک معین مکان میں کیونکر سما سکتا ہے اس کا جواب تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ جنت کا عرض جب آسمان و زمین کے برابر ہو کہ زمین و آسمان آپس میں ملے ہوئے ہوں اور ایک دوسرے کے متصل ہوں سب توجیہات سے بہتر توجیہہ یہ ہے کہ آدمیوں کے نزدیک کوئی چیز آسمان و زمین سے زیادہ وسیع نہیں ہے اور اس تمثیل سے جنت کی وسعت کا مبالغہ منظور ہے اس کی حدود کا بیان مقصود نہیں ہے اور حقیقت میں جنت کی وسعت اللہ کریم کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ چھوٹا سا گھر بہشت کا تمام دنیا کے برابر اور اس سے دس گنا ہوگا واللہ اعلم۔

اور اعراف اس مقام کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا نہ اس میں جنت کی سی راحت اور عیش ہوگی نہ دوزخ کی سی مصیبت

اور محنت ہوگی مگر اس کا وجود نقل صحیح اور نص قطعی سے ثابت نہیں ہوا بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مشرکوں کے بچوں اور اُن لوگوں کے واسطے پیدا کیا ہے جو زمانہ فترت میں ہوئے ہیں یعنی جن پر دنیا میں وحی نہیں بھیجی امام سبکی نے کہا ہے کہ اعراف کا قول حدیث شریف میں کہیں نہیں آیا اور نہ علماء میں سے کوئی اس طرف گیا ہے انتہی اور قرآن شریف میں جو آیا ہے (وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ اور اعراف پر مرد ہوں گے کہ ہر ایک کو جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ان کے قیافہ سے پہچانیں گے) اس سے اُن پردوں اور دیواروں کی بلندیاں مراد ہیں جو جنّت اور دوزخ کے درمیان حائل ہیں اور رجال سے یہاں پیغمبر اور شہدا اور نیک مومن اور علماء، یا فرشتے مراد ہیں کہ اہل بہشت و دوزخ کو اُن کی پیشانی کے نشان سے پہچانیں گے اور خطاب کریں گے۔

وَهُمَا مَخْلُوقَتَانِ مَوْجُودَتَانِ دوزخ اور جنّت پیدا ہو چکے اور اب موجود ہیں نہ یہ کہ قیامت کے دن پیدا ہوں گے آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کا قصہ دلیل کافی ہے۔

بَاقِيَتَانِ وَلَا يَفْنَيَانِ وَلَا يَفْنَى أَهْلُهُمَا بہشت اور دوزخ اور بہشتی اور دوزخی ہمیشہ باقی رہیں گے کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ جب سب ایک بار مر گئے پھر زندہ ہو گئے۔ اس کے بعد ابد تک زندہ رہیں گے۔ کسی کو وہاں موت نہیں ہوگی اسی واسطے فرمایا وَخَلَقْتُكُمْ لِلْأَبَدِ میں نے تم کو ہمیشہ کے واسطے پیدا کیا ہے۔

وَكُلُّ مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَأَحْوَالِ الْآخِرَةِ حَقٌّ جو خبریں کہ مخبر صادق حضرت نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں کے متعلق فرمائی ہیں جیسے سورج کا مغرب سے نکلنا کہ وہ دن توبہ کے دروازہ کے بند ہونے کا ہے

اور دجال اور دابۃ الارض کا نکلنا اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر سے اترنا اور صور کا پھونکنا اور سوا اس کے تمام حالات قیامت کے قائم ہونے سے جنت میں داخل ہونے تک بلکہ ہر خبر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی اور حکم شریعت کا جو حضور نے فرمایا سب حق ہے یہ بطور اجمال بیان کیا گیا۔ مفصل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ وَالْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ ایمان دل سے یقین کرنا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں اور زبان سے بھی ان دونوں باتوں کا اقرار کرنا دل سے یقین کرنا ایمان کی حقیقت ہے اور زبان سے گواہی دینا اس کی نشانی اور علامت ہے اس واسطے کہ زبان دل کی ترجمان ہے بغیر زبان پر لائے دل کا حال معلوم نہیں

---

لہ تمام اہل سنت جماعت کا یہ عقیدہ کتب علم کلام میں لکھا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دنیا میں تشریف لاویں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور ایسا ہی احادیث سے ثابت ہے برخلاف اس کے اس چودھویں صدی میں ایک فرقہ مرزا قادیانی کا پیرو پنجاب میں پیدا ہوا اور اس نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا کہ خود عیسےٰ علیہ السلام نہیں آویں گے وہ فوت ہو چکے بلکہ اُن کا مثیل مرزا غلام احمد آیا ہے علماء نے صدہا کتابیں ان کے رد میں لکھیں اور اس جھوٹے دعویٰ کو خوب رد کیا۔ اب کئی سال ہوئے خود مرزا غلام احمد ہی مر گیا اور ثابت ہو گیا کہ قیامت سے پہلے حسب ارشاد مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے ۱۲۔ ٢ پنجاب ہی میں ایک اور جدید باطل فرقہ پیدا ہوا اس نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطعی انکار کر دیا اپنا نام فرقہ قرآنیہ رکھا ان کا مذہب باطل یہ ہے کہ جو مسئلہ قرآن سے ثابت ہو وہ درست ہے اور جو حدیث سے ثابت ہو وہ غلط ہے حالانکہ خود خداوند کریم نے قرآن شریف میں فرمایا اور بتلا دیا ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا جو حکم تم کو رسول نے اس پر عمل کرو اور جس سے روکے اس کو نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے ۱۲۔

ہوتا احکام ظاہری کا جاری ہونا اسی پر موقوف ہے۔ اگر کوئی گونگا ہو یا کوئی شخص کسی سے زبردستی کفر کا کلمہ کہلوائے اور دل میں اس کے ایمان ہو یا کوئی دل سے یقین کر لینے کے بعد مر جاوے اور زبان سے اقرار کرنے کی فرصت نہ ہو پاوے ان صورتوں میں زبانی اقرار شرط نہیں اور اہل حدیث کہتے ہیں اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ وَ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ ایمان دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا اور ارکان یعنی ہاتھ پاؤں سے عمل کرنا ان تینوں کا نام ایمان ہے۔

اور درحقیقت دونوں میں کچھ فرق نہیں ایمان کامل وہی ہے جو محدثین کا مذہب ہے کیونکہ ایمان بغیر عمل کے ناقص ہے لیکن ایمان کی اصل اور جڑ تصدیق ہی ہے جیسا کہ علم کلام والے حنفیہ کہتے ہیں۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایمان ایک درخت کی مانند ہے اس کی جڑ تصدیق ہے اور اعمال جو ثمرہ اور نتیجہ تصدیق کے ہیں وہ مثل ٹہنیوں اور پتوں اور پھولوں اور پھلوں کے ہیں۔ اگرچہ بغیر پھل والے درخت کو بھی درخت کہتے ہیں لیکن کام کا درخت وہی ہے جس میں پھل ہوں اسی طرح ایمان کامل وہی ہے جس کے ساتھ اچھے عمل ہوں اور بے عمل کے ناقص نام اس کا بھی ایمان ہے اِس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اکثر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو ملایا ہے جیسا کہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ اس آیۃ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اصل ایمان کی تصدیق ہے اور عمل صالح اِس سے جدا مگر اس کو کامل کرنے والے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو کہیں کہ فلاں یہ چیز بھی رکھتا ہے اور وہ چیز بھی رکھتا ہے اس سے یہی سمجھا جاوے گا کہ وہ شخص دونوں چیزیں رکھتا ہے مگر وہ دونوں جدا جدا ہیں۔ دونوں کو ایک کہنا درست نہ ہوا جو دونوں کو ایک کہے وہ غلطی کی طرف منسوب کیا جاوے۔

اور یہ بات بھی معلوم کرنی چاہیئے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف سچے نبی جاننے کا نام ایمان نہیں ہے جب تک کہ دل میں اس کی تصدیق نہ ہو کیونکہ علم اور چیز ہے اور تصدیق اور شے ہے۔ تصدیق عبارت ہے اذعان اور قبول کر لینے سے اس کو فارسی میں گردیدن کہتے ہیں اور یہ درحقیقت دل رنگ قبول سے رنگا جانا اور نور یقین سے دل کا منور ہو جاتا ہے اور علم صرف جاننے کا نام ہے۔ تمام کفار عرب علی الخصوص نااہل یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی جانتے تھے اور یہ علم ان کا ایسا تھا جیسے اپنے فرزند کا انسان کو علم ہو کہ اس کے سامنے پیدا ہوا ہو چنانچہ خداوند کریم فرماتا ہے يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وہ نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنی اولاد کو۔

پیغمبر آخرالزماں صلے اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی خبریں اور آپ کی صورت و سیرت اور صفتیں اور نام و نشان اور پیدا ہونے کا مقام سب یہودی کتابوں میں لکھا تھا اور ان کی زبانوں پر جاری تھا۔ بہت یہود موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک آپؐ پر ایمان لانے کی نیت سے مدینہ میں آکر رہے اور ساری عمر اسی شوق میں گذاری اور مرتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اگر تم زمانہ نبی آخرالزماں کا پاؤ تو آپ کی خدمت میں ہمارا سلام پہنچانا اور ہمارے ایمان لانے کا پیغام عرض کرنا اور درحقیقت اس باب میں یہود سے زیادہ کسی کو علم نہ تھا مگر جب آفتاب نبوت نے طلوع کیا یہود کی شقاوت ازلی سامنے آگئی ان کی عقل کی آنکھوں پر خفاشی کا پردہ پڑ گیا اور حسد و عناد اور غرور پیدا ہو گیا۔ کفر و انکار کے گڑھے میں جا پڑے اور نجات کے راستہ سے محروم رہے یہاں سے معلوم ہو گیا کہ علم اور عقل اللہ کریم کی عنایت اور ہدایت کے بغیر کچھ کام نہیں آتی اور کچھ اثر نہیں رکھتی وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا یعنی انکار کیا اس کا بوجہ ظلم اور

تجبر کے اور یقین کر چکے تھے ان کے دل فَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَقَلْبٌ لَا یَخْشَعُ ہم پناہ مانگتے ہیں ساتھ اللہ کے اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو خدا سے نہ ڈرے۔ علمے کہ راہ بحق ننماید جہالت است۔ جو علم کہ سچا راستہ نہ بتاوے جہل ہے۔

وَھُوَ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ اور ایمان زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔

جب ثابت ہوا کہ ایمان عبادت ہے تصدیق قلبی سے اور وہ ایک ہے لہٰذا ایمان زیادہ کم نہیں ہوگا اس واسطے کہ زیادہ ہونا اور کم ہونا تعداد اور گنتی میں ہوتا ہے۔ اگر تصدیق کے ساتھ اعمال صالحہ بھی ایمان میں داخل کئے جاویں تو بسبب زیادتی اور کمی اعمال کے ایمان بھی کم اور زیادہ ہوگا لیکن جب ایمان کے معنی تصدیق قلبی کے ہیں اور اعمال اس میں داخل نہیں تو امام اعظم ابوحنیفہ رح کا یہ قول کہ اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ یعنی ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا بے شبہ اور بغیر کسی اشکال کے درست اور ثابت ہوا اور حقیقت میں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں اور یہی اہل سنت جماعت کا مذہب ہے وباللہ التوفیق۔

وَالْاِیْمَانُ وَالْاِسْلَامُ وَاحِدٌ ایمان اور اسلام ایک ہی ہیں لیکن اکثر اطلاق ایمان کا تصدیق دل اور حال باطن پر ہوتا ہے اور اسلام کا اطلاق خشوع اور انقیاد ظاہری پر ہوتا ہے جیسا کہ اس آیہ شریفہ میں ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا اعرابیوں نے کہا ہم ایمان لائے ہیں۔ اے محمد تم ان سے کہو تم ایمان تو نہیں لائے یعنی دل سے تصدیق نہیں کی۔ لیکن یہ کہو ہم مسلمان ہیں یعنی ظاہر کے فرمانبردار ہیں مقصود اس جگہ یہ ہے کہ جو مومن ہے وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ مومن ہے۔ بیچ میں مغائرت نہیں۔

وَلَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اور نہیں مناسب

کسی کے واسطے یہ جملہ کہنا میں مومن ہوں انشاءاللہ علماء میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اَنَامُؤْمِنٌ اِنْشَآءَ اللّٰہ کہنا درست ہے اور بعض کے نزدیک درست نہیں۔ حنفی ناجائز بتلاتے ہیں اور شافعی جائز کہتے ہیں اور فی الواقع کچھ اختلاف نہیں اگر اس جملہ شرطیہ انشاءاللہ سے مقصود تردد اور شک ہو تو جیساکہ علماء حنفیہ کہتے ہیں اس کا کہنا جائز نہیں اور اگر اللہ کا نام تیمناً اور تبرکاً لیا ہے تو درست ہے کہ مقصود عجب و غرور کا دور کرنا ہے اور نفس کا درست بنانا ہے۔ یا مثلاً انجام کا تردد ہو کہ ایسا کامل ایمان حاصل ہوتا ہے یا نہیں جس کی نسبت فرمایا اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا وہ لوگ سچے مومن ہیں غرض بعض وجوہ سے کلمہ انشاءاللہ کہنا درست ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ کہے ظاہر میں بھی تردد اور شک کا کلمہ زبان پر نہ آوے۔

وَاِیْمَانُ الْبَاْسِ غَیْرُ مَقْبُوْلٍ ایمان باس کا مقبول نہیں ہے باس کے معنی شدت اور عذاب کے ہیں مگر یہاں سکرات موت سے مراد ہے کہ اس وقت آخرت کے حالات معلوم ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ ہر شخص موت کے وقت اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے۔ مومن بہشت میں اور کافر دوزخ میں۔ پس اگر اس حالت میں کوئی کافر ایمان لاوے تو مقبول نہیں کیونکہ ایمان غیب پر لانا چاہیے بندہ اپنے اختیار اور قصد سے اللہ کے حکم کی فرماں برداری اور اطاعت کرتا ہے اور حالت سکرات میں غیب کی حالت نہیں رہی۔ اس وقت بندہ بلاقصد اضطرار سے ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن کافر پکاریں گے۔ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (اے رب ہماری آنکھیں بینا ہو گئیں اور کان سننے والے ہو گئے اور ہم نے یقیناً جان لیا کہ جو کچھ تیرے پیغمبروں نے دنیا میں خبریں دی تھیں اور تیری کتابوں میں لکھا تھا سب سچ ہے ہم کو دنیا میں بھیجدے کہ ایمان لاویں اور اچھے کام کریں۔ اور ثواب کے مستحق بنیں) یہ ایمان اور حق کا اقرار اس وقت ان کو کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

تمام اہل حق کو اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ ایمان یاس مقبول نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ۔ یعنی اللہ تعالےٰ بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جب تک غرغرہ کی نوبت نہ پہنچے۔ غرغرہ موت کی حالت اور سکرات کی شدت اور روح کے حلقوں میں پہنچنے سے مراد ہے اور قرآن شریف میں ہے فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُھُمْ اِیْمَانُھُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا یعنی عذاب الٰہی دیکھنے کے وقت ایمان لانا فائدہ نہیں کرتا۔ دوسری بار فرمایا وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ اور نہیں قبول ہوتی توبہ اُن لوگوں کی جو گناہ کرتے ہیں برابر یہاں تک کہ جب موت آموجود ہوئی کہنے لگا اب میں توبہ کرتا ہوں۔

اس آیۃ کے ساتھ استدلال صحیح ہے کیونکہ پہلی آیۃ میں یہ احتمال ہے کہ رویت یاس سے قیامت کی نشانیوں کا دیکھنا مراد ہو۔ جیسے مغرب سے آفتاب کا نکلنا۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ پچھلی آیۃ صراحۃً پکارتی ہے کہ مرتے وقت کی توبہ اور ایمان مقبول نہیں ہے اور انہی دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ گناہوں سے توبہ بھی حالت یاس اور غرغرہ کے وقت قبول نہیں جس طرح کہ ایمان لانا ایسی حالت میں قبول نہیں یہی مذہب اکثر اشاعرہ اور فقہار کا ہے اور اکثر علمار کے نزدیک یاس کے وقت توبہ گناہوں سے قبول ہوجاتی ہے لیکن یاس کے وقت بالاتفاق و الاجماع ایمان قبول نہیں ہوتا۔ یہاں سے لازم آیا کہ باجماع امت فرعون کا ایمان کہ غرق ہونے کے وقت لایا تھا قبول نہیں ہوا کیونکہ غرق کا وقت یاس کا وقت اور حیات سے ناامیدی کا وقت تھا اضطراری کا زمانہ تھا اختیار کا نہیں تھا اس امت کے تمام علمار اور مجتہدین اور پیشواؤں کا عقیدہ یہی ہے کہ فرعون حالت کفر میں کافر مرا اس واسطے شرع شریف میں ہر جگہ اس کی مذمت آئی ہے اور غرور قرآن شریف کی آیتوں سے ظاہر ہے۔ اس کے جہنمی ہونے پر نص صریح دلالت کرتی ہے جیسا کہ فرمایا فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ

وَالْاُوْلٰی یعنی پکڑا اللہ نے فرعون کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں دوسری جگہ فرمایا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ یعنی قیامت کے دن فرعون اپنی قوم کا پیشوا ہوگا پس پہنچا دے گا ان کو آگ میں اور اُن کا پیشوا و سردار دوزخ کے اندر ہوگا حدیث شریف میں وارد ہے کہ امرا القیس دوزخ میں اور شعرا زمانہ جاہلیت کا پیشوا ہوگا۔ الفاظ حدیث شریف کے یہ ہیں یقدم الشعراء الی النار اور جگہ فرمایا وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ یعنی تکبر کیا فرعون اور اس کے لشکر نے زمین میں حق کے خلاف اور گمان کیا اس نے اور اس کے لشکر نے کہ ہماری طرف نہیں رجوع کریں گے اور ہماری بارگاہ قہاری میں حاضر نہیں ہوں گے جیسا کہ اور کافر گمان کرتے ہیں فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ پس اپنے قہر اور عذاب میں ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے اُن سب کو دریا میں ڈال دیا فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ پس دیکھ کہ انجام ظالموں اور متکبروں اور کافروں کا کہ انھوں نے خدا اور اُس کے رسول کے ساتھ تکبر کیا تھا دنیا اور آخرت میں اس کی سزا پائی رسوا ہوئے) کیا ہوا وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ اور کیا ہم نے ان کو یعنی فرعون اور اس کے لشکر کو امام اور پیشوا دوزخیوں کا کہ دوزخ کی طرف ان کو بلاتے ہوں گے وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ اور وہ قیامت کے دن مدد نہیں دیئے جاویں گے بلکہ مطرود اور مردود ہوں گے وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ اور ہم نے مقرر کی ان کے واسطے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن وہ اور اس کا لشکر رسوا ہوگا۔

حال فرعون کا قرآن شریف سے معلوم ہوا اگر وہ مسلمان ہو کر اور پاک ہو کر دنیا سے جاتا ہرگز ایسے وصفوں کے ساتھ اس کو یاد نہ کرتے اگر اس کے

_____ اسراف اور تکبر و ظلم کو اس کی حیات اور دنیا کے حالات پر حمل کریں تو اس کا کیا جواب کہ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ یعنی فرعون اور اس کا لشکر قیامت کے دن رسوا ہوں گے۔ جو شخص ان آیات کے سیاق پر نظر ڈالے وہ یقین کرلے گا کہ اس جگہ ضمیریں اور کنایات فرعون کے لشکر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ فرعون اور لشکر دونوں کی طرف پھرتی ہیں غرض ہرگز عقل میں نہیں آتا کہ فرعون اللہ کے نزدیک سچا مومن ہو کہیں اس کی تعریف مذکور نہیں اور نہ کہیں اس کے خاتمہ کے اچھے ہونے کا ذکر ہے کہ ہمارا فلاں بندہ تمام عمر کفر و عصیان میں مبتلا رہا آخر ہمارے فضل و رحمت نے اس کی دستگیری کی بلکہ سب جگہ اس کی مذمت اور اس پر ملامت ہے کہیں اس کے ایمان یا اسلام کا ذکر تک نہیں مگر اس آیۃ میں حَتّٰى إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ (ترجمہ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا کہا ایمان لایا میں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں مسلمانوں ہی میں سے ہوں)۔

اس آیۃ کے سیاق اور سباق سے سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ظالم تمام عمر تکبر و غرور اور اسراف میں غرق رہا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اس کے واسطے اور اس کے لشکر کے واسطے عذاب کی درخواست کی آخر وقت جب زندگی سے ناامید ہوا اور عذاب الٰہی کو دیکھ چکا اس وقت زبان پر اسلام کا کلمہ جاری کیا حکم ہوا کہ اس وقت ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا کہ اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی اور تیرا کفر و فساد کہا گیا آج ہم تجھ کو دنیا میں رسوا کریں گے اور تیری نعش کو دریا سے نکال کر عالم کا تماشا گاہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ کفر و اور غرور و سرکشی خدا اور رسول کے ساتھ کرنے کا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی ہے جیساکہ

فرمایا فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلیٰ اِنَّ فِیْ ذٰالِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی یعنی پکڑا اللہ نے فرعون کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں بیشک اس میں عبرت ہے اُس کے واسطے جو اللہ تعالےٰ کے عذاب سے ڈرے اور یہ خیال کہ فرعون کی بی بی حضرت آسیہ نے موسےٰ علیہ السلام کی نسبت فرعون سے کہا تھا قُرَّۃُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَکَ لَاتَقْتُلُوْہُ بچہ یعنی یہ میرے اور تیرے واسطے آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا۔ اس کو قتل نہ کرو ) حضرت آسیہ کا محض خیال اور گمان ہے حکمت الٰہی اس میں یہ تھی کہ موسےٰ علیہ السلام ظالم کے ہاتھ سے خلاص پاویں ہلاک نہ ہوں کیونکہ اوربچوں ذکور کو فرعون زندہ نہیں چھوڑتا تھا گویا حضرت آسیہ نے یہ حیلہ ان کے بچانے کا کیا تھا۔ حضرت آسیہ کو فراست یا الہام سے موسیٰ علیہ السلام کا نبی مرسل ہونا معلوم ہوگیا تھا اور اس آیۃ (فَالْتَقَطَہٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَکُوْنَ لَھُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا یعنی اٹھا لیا موسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہونے کے بعد آل فرعون نے تاکہ ان کا دشمن اور باعث رنج وخرابی ہو ) میں بظاہر وہ عداوت مراد ہے جو نفس الامر میں ہو اگر فرعون مسلمان ہوکر مرتا تو یہ عداوت دائمی کیوں ہوتی۔ قرآن شریف کے علاوہ فرعون کی مذمت احادیث اجماع امت یعنی صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اور علماء مجتہدین ومشائخ متقدمین ومتاخرین رحمہم اللہ سے بکثرت ثابت ہے اگر اس کا خاتمہ بخیر ہوتا تو اُس کا کفر اور طغیان ضرب المثل نہ ہوتا روایت ہے کہ جب غزدہ بدر میں ابوجہل لعین مارا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَاتَ فِرْعَوْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اس امت کا فرعون وقت مرگیا اگر فرعون پاک ہوتا تو اس کے ساتھ ابوجہل قطعی دوزخی کی تشبیہ کیونکر درست ہوتی۔ اور اگر یہ خیال گذرے کہ یہ تشبیہ اُس کفر وتکبر کے سبب ہے جو حالت حیات میں رکھتا تھا جواب یہ ہے کہ کہیں شریعت میں نہیں آیا کہ بعد توبہ کرنے اور اسلام لانے کے کسی کو اس کے پہلے کفر وگنہگاری کے اعتبار سے کفر وعصیان میں مشبہ بہ بنادیں اس لیے کہ

اسلام اپنے ماقبل کے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے بہت سے رئیس قریش کہ مدۃ العمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں رہے اور کفر و سرکشی کرتے رہے آخر ایمان لائے اور دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے شرع شریف میں ان کے پہلے حال کے متعلق مذمت اور ہجو کہیں بیان نہیں ہوئی۔

خاص کر قرآن مجید میں فرعون کے متعلق کثرت سے مذمت اور تشنیع کی گئی ہے مشائخ میں سے بھی کسی نے اس کو مومن مسلمان نہیں بتلایا صرف شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب فصوص الحکم میں مومن قرار دیا ہے یہ خیال ان کا اگر ایمان باس کے قبول ہونے کے متعلق ہے تو یہ امر اجماع کے خلاف ہے یا اس خیال سے ایسا فرمایا کہ فرعون کی حالت باس نہ تھی مگر یہ بھی صحیح نہیں اس کے واسطے ادراک غرق دریا کی حالت یاس اور موت کے پہنچنے کی ہے اور جب اجماع سے فرعون کا کفر ثابت ہوا حالت باس کی نفی کرنا اثبات ایمان کے واسطے بیکار ہے۔ خود شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں فرعون کی مذمت اور سخت کافر ہونا بیان کیا ہے فرماتے ہیں دوزخ میں مراتب اور درکات ہیں بعض ان میں بہ نسبت بعض کے سخت ہیں ایک درکہ سرکشوں اور مغروروں کے واسطے ہے جیسے فرعون وغیرہ کہ اشد کافر ہیں۔

لیکن فصوص میں اس کے خلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ فصوص میں آیت قرآنی حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ الخ کو محتمل بتلایا ہے اور تحقیق مذہب اور شیخ کا معتقد علیہ وہی ہے جو فتوحات میں ہے واللہ اعلم۔

اور اگر حضرت محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرعون کا ایمان صحیح ہے دوسرے اہل علم باوجود مخالفت اجماع تمام اُمت کے کس طرح اس کو ایمان والا خیال کر سکتے ہیں اجماع دلیل قطعی ہے دلائل شرعیہ میں سے طبیعت کو حیرت پیدا ہوتی ہے کیا کیا جاوے یہی ہو سکتا ہے کہ تغافل اور اغماض کر کے تکلف کے ساتھ حضرت شیخ کے قول کو اجماع کے ساتھ مطابق کیا جاوے اور

اغماض کر کے تکلف کے ساتھ حضرت شیخ کے قول کو اجماع کے ساتھ مطابق کیا جاوے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ باوجود مخالفت تمام ائمہ دین جو شیخ نے سب کے مخالف کہا اس پر اعتقاد رکھیں اور بعض اس زمانہ کے نادانوں کی طرح دین اسلام کے پیشوایوں کے خلاف ہوکر فرعون کو مومن مان لیں نعوذ باللہ من الخلل والزلل آخر انبیاء کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے اگر کسی سے اجتہاد میں خطا ہو جاوے تو کیا نقصان ہے۔ مذہبوں کے امام دین کے پیشوا جن کا تمام عالم اتباع کرتا ہے ان سے مسائل دنیہ میں کئی جگہ خطا اجتہادی ہو گئی ہے اگر حضرت شیخ سے ایک مسئلہ میں خطا ہو گئی تو کیا تعجب ہے۔ حیرت اس بات میں ہے کہ باوجود اجماع امت کے برخلاف ہونے کے ایک ذات پر کس طرح ایک مسئلہ میں یقین کر لیا جاوے اگر یہ عقیدہ ہے کہ تمام اُمت میں سے حق ایک ہی ذات میں وقف ہو چکا تو اس پہ دلیل کیا ہے اور اگر محض تقلید و اتباع ہے تو ایسے امور میں سلف اور مجتہدین کا اتباع بہتر اور احتیاط سے نزدیک تر ہے۔

اور اگر یہ کہیں کہ حضرت شیخ صاحب کشف و یقین ہیں حقائق و دقائق و معارف ایسے ان سے سرزد ہوئے ہیں مسئلہ شرعی میں خطاء کا ہونا ان سے ممکن نہیں اور جو کچھ انھوں نے اپنی کتاب میں کہا ہے بغیر کمی بیشی کے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے یہ دوسرا مضمون ہے دم مارنے کا مقام نہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ حقائق و معارف حضرت شیخ کے اپنی جگہ پر ہیں کس کی مجال ہے کہ اس میں دم مارے مگر یہ مسئلہ فقہ کا ہے اس میں قیاس صحیح اور دلیل کی ضرورت ہے یہ بات ظاہر ہے کہ آدمی سہو و نسیان سے خالی نہیں ہے اور سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کوئی خطاء و خلل سے معصوم نہیں ہے آخر آپ نے فتوحات میں فرمایا ہے اور تمام تابع آپ کے اس کو نقل کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی آیت خلود عذاب کے باب میں واقع نہیں ہوئی ہے اگر ہے تو خلود نار میں ہے اور دخول نار عذاب کو مستلزم ہے پس آگ میں ہمیشہ رہنا بھی ہمیشگی عذاب کو مستلزم نہ ہوا حالانکہ قرآن مجید میں عذاب کے خلود کا بیان

بہت جگہ ہے چنانچہ سورۂ مائدہ میں فرمایا فِی الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُوْنَ اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور سورہ فرقان میں ہے وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا اور ہمیشہ کے واسطے داخل ہو گا عذاب میں ذلیل ہو کر فیہ میں ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے اور سورہ الم سجدہ میں ہے وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ اور چکھو تم عذاب ہمیشگی کا اور سورہ زخرف میں ہے اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ بیشک گنہگار یعنی کفار دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ باوجود حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس علم و کمال اور تلاش کے جو آپ میں مخصوص تھی خلود عذاب کا قائل نہ ہونا شیخ سے بھول نہیں تو اور کیا ہے واللہ اعلم۔

حاصل کلام یہ کہ اعتقاد اور احکام کفر و ایمان میں سواد اعظم سے باہر نہیں ہونا چاہیے اور ائمہ مجتہدین کا تابع رہنا چاہیئے خصوصاً ایسے مسئلہ میں جس میں سب کا اجماع اور اتفاق ہو ہاں آداب اور اخلاق میں مشائخ کے تابع رہنا چاہیے اور ان پر حسن ظنی اور اعتقاد رکھنا چاہیئے اور ان کے کلام کو علماء اور مجتہدین کے کلام کو علماء اور مجتہدین کے کلام کے موافق تطبیق دینی چاہیئے ریاضت اور مجاہدہ میں کوشش سے قدم رکھنا چاہیے اگر استعداد کامل ہے اور نیت صادق ہے اور مجاہدہ قوی ہے۔ احوال اور انوار خود بخود کھل جائیں گے اس میں تکلف بناوٹ اور تقلید سے بچنا چاہیئے واللہ الموفق وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَاِیَّاکُمْ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔

شیخ ابن حجر مکی نے کتاب زواجر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اس قول کی رو سے فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (پس نفع نہیں دے گا ان کو ایمان جب دیکھیں گے وہ عذاب ہمارا) تمام علماء امت اور مجتہدین نے فرعون کے کفر پر اجماع کیا ہے اور کسی کے نزدیک اللہ پر ایمان لانا معتبر ہو تو بھی اجماع کے انعقاد میں شک نہیں ہے کیونکہ صرف اللہ پر ایمان لانا رسول پر ایمان لانے کے بغیر معتبر نہیں پس اگر تسلیم کیا جاوے فرعون کا اللہ پر ایمان لانا تو بھی وہ موسیٰ

علیہ السلام پر تو ایمان نہیں لایا تھا پس یہ ایمان اس کو کیا نفع دے گا اگر کوئی کافر ہزار بار اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهِ الْمُسْلِمُوْنَ کہے تو وہ مومن نہیں ہے جب تک کہ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ فرعون کے جادوگر بھی تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے اور ان کا ایمان مقبول ہوا جواب اس کا یہ ہے کہ جادوگروں نے جب یوں کہا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ العَالَمِین رب موسےٰ و ہارون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (یعنی ایمان لائے ہم تمام جہان کے پالنے والے پر کہ وہ موسی اور ہارون کا رب ہے) تو ایمان کی اضافت موسےٰ و ہارون کے رب کی طرف کی ضمن میں موسےٰ علیہ السلام پر بھی ایمان کا لانا ثابت ہوگیا اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اضافت نہیں کی بلکہ اَلَّذِیْ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ کہا یعنی وہ خدا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔

دوسرے یہ کہ جادوگر ایمان لائے اللہ تعالےٰ پر اور موسےٰ علیہ السلام کے معجزہ پر اور رسول کے معجزہ پر ایمان لانا عین رسول پر ایمان لانا ہے پس جادوگر صریحًا موسےٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور فرعون کے کلام میں ہرگز موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا اشارۃً یا صراحۃً نہیں پایا جاتا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا نام نہ لینا اور بنی اسرائیل کا ذکر کرنا کہ وہ اب تک موسےٰ علیہ السلام کے ساتھ کافر ہے۔

اور اگر یہ کہا جاوے کہ بعض اہل تصوف نے نقل کیا ہے کہ عذاب دیکھ لینے کے وقت ایمان کا لانا نافع ہے پس دعوی اجماع فرعون کے کفر پر کس طرح درست ہوا اس کا جواب یہ ہے اول تو اس نقل کی صحت کلام ہے کہ ایسے صوفیہ نے جو مجتہدین ہیں ایسا کہا ہے کہ ان کے قول پر اعتماد ہے اور ان کی مخالفت اجماع کے انعقاد کو منع کرتی ہے اور جو نقل صحیح تسلیم کی جاوے تب بھی فرعون کے کفر پر اجماع امت کے انعقاد میں کچھ ضرر نہیں اس لیئے کہ نرے یاس کا ایمان معتبر نہ ہونے سے فرعون پر کفر کا حکم نہیں کیا گیا ہے بلکہ موسےٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ بھی اس میں شامل ہے۔

اگر کہیں کہ ابن عربی ایمان اضطراری کی صحت کے قائل ہوئے ہیں اور انھوں نے فرعون کے ایمان پر حکم لگایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ابن عربی سے مسلم اور مقرر نہیں ہے یعنی اس باب میں کلام ابن عربی مسلم نہیں ہے اور خطا سے معصوم ہونا انبیار کا خاصہ ہے آیات اور احادیث ایمان یاس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں پس بعد موجود ہونے آیۃ اور حدیث کے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ ائمہ صحابہ اور تابعین و مجتہدین نے حدیث اور اجماع کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ غرض جب ثابت ہوا کہ ایمان یاس صحیح نہیں تو فرعون کا ایمان نہ لانا بھی ثابت ہے اور اگر تسلیم بھی کہ ایمان یاس صحیح ہے تو فرعون کا ایمان جب بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ موسے اور ہارون علیہما السلام پر ایمان نہیں لایا۔

یہ ترجمہ کتاب زواجر ابن حجر کا مختصرا اور ملخصا لکھا گیا ہے واللہ اعلم بالبواطن والسرائر والصلوۃ والسلام علی السید الصادق المصدوق محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

وَالْكَبِيرَةُ لَاتُخْرِجُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْإِيمَانِ اور گناہ کبیرہ نہیں نکالتا بندہ مومن کو ایمان سے جب معلوم ہو چکا کہ ایمان کی اصل تصدیق قلبی ہے اور اعضار کے عمل ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں لیکن بغیر اعمال کے ایمان کامل نہیں ہوتا بلکہ ناقص ہے اور ناقص ہونا چیز کو اس کی حقیقت سے نہیں نکالتا بلکہ اس کو ایمان کامل سے نکال دیتا ہے مگر ایمان سے نہیں نکالتا اور گناہ و فسق بندہ کو کافر نہیں کرتا ہاں فاسق اور گنہگار بنا دیتا ہے پس مومن دو طرح کا ہوتا ہے ایک مطیع و فرمانبردار کہ وہ مومن کامل ہے۔ دوسرا عاصی و بدکردار کہ وہ مومن ناقص ہے۔ پس مومن کا اطلاق فاسق اور عاصی پر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور ان پر تمام احکام مسلمانی کے جاری ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم فاسقوں اور گنہگاروں کی نمازیں پڑھتے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے تھے اور ان کے واسطے دعا و استغفار کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار اسلام سے خارج نہیں ہوتے۔

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کبیرہ و صغیرہ۔ کبیرہ وہ ہے کہ اس کا گناہ ہونا یقینی دلیل سے معلوم ہوا ہو یا اس پر وعید آئی ہو جیساکہ ناحق خون کرنا۔ لواطت کرنا نیک عورت کو جو کسی کے نکاح میں ہو زنا کی تہمت لگانی۔ دو چند کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جانا۔ ماں باپ مسلمان کو ناحق ستانا۔ مکہ معظمہ کے حرم کی حد میں جن چیزوں کی ممانعت ہے وہ کرنی۔ بیاج کھانا۔ چوری کرنا۔ شراب اور نشہ کی کوئی چیز پینی یا کھانی۔ سور کا گوشت کھانا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ بے عذر سچی گواہی چھپانی بے عذر رمضان شریف کے روزے نہ رکھنے۔ نماز نہ پڑھنا۔ یا نماز کا بے وقت پڑھنا۔ مال کی زکوٰۃ نہ دینا۔ جھوٹی قسم کھانی۔ قطع رحم کرنا۔ ناپنے یا تولنے میں خیانت کرنا مسلمانوں کے ساتھ ناحق لڑائی کرنا۔ صحابہ کو برا کہنا۔ رشوت لینا۔ حاکم وقت سے کسی کی چغلی کھائے۔ باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا۔ قرآن شریف یاد کرکے بھول جانا۔ کسی جاندار کو آگ میں جلا دینا۔ عورت کو مرد کی نافرمانی کرنی۔ مرد کو عورت پر ظلم کرنا۔ جورو خاوند میں لڑائی ڈلوانی۔ علمار دین اور حافظوں کی اہانت کرنی۔ اللہ تعالےٰ کی مغفرت سے نا امید ہونا۔ اور اس کے عذاب سے بے خوف ہونا۔ یہ تمام مولانا جلال الدین دوانی نے رویانی سے نقل کیا ہے۔ رویانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں بعض علمار نے ان پر اور زیادہ کئے ہیں ان کے معلوم کرنے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ شرع شریف میں جس کے واسطے وعید کا آنا یقیناً معلوم ہوا وہ گناہ کبیرہ ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ گناہ صغیرہ ہے گناہ صغیرہ میں ایسی سختی نہیں ہے اس واسطے کہ اس سے بچنا مشکل ہے اور مذہب مختار یہی ہے کہ گناہ صغیرہ تقوی میں نقصان نہیں پہنچتا تا بشرطیکہ اس پر استمرار نہ ہو۔ گناہ کبیرہ کرنے والے کے دین میں اگرچہ نقصان اور ایمان میں ضعف ہے مگر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں مومن ہے۔

فرقہ خارجیہ کبیرہ بلکہ صغیرہ گناہ کرنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں اس مذہب کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر

ہے یہ پہلا مسئلہ ہے جو اہل اسلام کے دین میں تمام مسلمانوں کے اجماع کے برخلاف پیدا ہوا ہے اور معتزلہ ہی پہلا فرقہ ہے جس نے مسلمانی کی بنا ر میں رخنہ ڈالا ہے اپنی عقل وخواہش کی متابعت کی ہے نصوص ظاہری کی تاویل کی ہے (خذلھم اللہ)
یہ مذہب بالکل باطل اور رائے سخیف ہے اس واسطے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو دو قسم پر بنایا ہے مومن اور کافر چنانچہ فرمایا ھُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّ مِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ سوائے ان دو کے کوئی تیسری قسم نہیں ہے حقیقت میں اُن لوگوں نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کی قدر ہی نہیں کی کہ ایمان کی قوت اور نورانیت کے مقابلہ میں تمام گناہ بے حقیقت ہیں جیساکہ نیکیاں باوجود کفر کے کچھ فائدہ مند نہیں ہوتیں اسی طرح بدیاں بھی ایمان پر غالب نہیں آسکتیں اور ضرر نہیں پہنچاتیں ہاں ایمان کے کمال میں فرق آجاتا ہے اور اگر بطور استخفاف کے گناہ کرے یعنی حرام کو حلال جانے اور گناہ کو کچھ نہ سمجھے یہ کفر ہے اور تصدیق قلبی کے خلاف ہے اور جو حرام کو حرام سمجھے اور گناہ کو گناہ جانے مگر بشریت سے خواہش نفسانی غالب ہوجاتی ہے گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو کافر نہیں ہوتا کیونکہ تصدیق قلبی جو ایمان کی حقیقت ہے دل میں موجود ہے پس ایسا شخص مسلمان ہے مگر اس کے اعضار اور جوارح نافرمان ہیں دل کا کہنا نہیں مانتے خصوصًا ایسے وقت کہ عذاب کا خوف اور مغفرت کی امید اور توبہ کا ارادہ ہو۔ باوجود اس کے مغرور ہونا نہیں چاہیے کہ گناہ کی نحوست دل کی صفائی اور ایمان کی تازگی کو اس طرح کھو دیتی ہے کہ نام ونشان باقی نہیں رہتا دل سیاہ ہوجاتا ہے اور کفر سے ایک درجہ نزدیک کردیتی ہے اور جو عادت ہوجاوے اور ہمیشہ گناہ میں مبتلا رہے تو کفر سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ سے گناہ ہوتا ہے اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اگر توبہ کرے تو جاتا رہتا ہے ورنہ بڑھتا جاتا ہے اور تمام دل کو سیاہ کردیتا ہے اس میں ایمان کی اور حق بات سننے کی جگہ نہیں رہتی ختم اور طبع کے یہی معنی ہیں جو قرآن شریف میں

ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَطَبَعَ اللّٰهُ قُلُوْبِهِمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ پہلی آیۃ کے معنی یہ ہیں ایسا نہیں جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں بلکہ ان کے دلوں میں زنگ پیدا ہوگیا۔ دوسری آیۃ کے یہ معنی ہیں مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر۔ تیسری کے معنی بھی یہی ہیں مہر کر دی اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں پر۔

پس گناہ اگرچہ مومن کو ایمان سے باہر نہیں لاتا لیکن کفر میں پڑ جانے کا خوف ہو جاتا ہے سلامتی اسی میں ہے کہ دنیا کو بقدر ضرورت اختیار کرے وہ تین چیزیں ہیں اوّل اسقدر کھانا کہ بھوک روک سکے دوم اسقدر کپڑا جس سے ستر عورت ہو جاوے سوم اتنا مکان کہ گرمی جاڑے سے پناہ دے سکے اور حد ضروریات سے تجاوز کر کے مباحات کے میدان میں قدم رکھنا اور توسع کا دروازہ اپنے اوپر کھولنا شبہات و مکروہات میں پڑ جانا ہے اور رفتہ رفتہ محرمات تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس اسلام کی سرحد تو یہاں تک ختم ہوگئی اس کے آگے کفر کا گھر ہے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ حاصل کلام یہ کہ کمال اور نقصان کی ترقی اور تنزل کے یہی دو راستے ہیں کمال اور ترقی ایمان کے لانے اور واجبات اور سنتوں اور نفلوں کے بجا لانے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہنے اور بقدر ضرورت دنیا حاصل ہوتی ہے اور تنزل ضرورت سے زیادہ شبہات اور حرام میں پڑنے سے پیدا ہوتا ہے اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے کلام کی حقیقت اور حال کی سلامتی اور خوف اور رجا کے درمیان ہے۔

وَاَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُخَلَّدُوْنَ فِي النَّارِ وَاِنْ مَاتُوْا مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ اور مومن کبیرہ گناہ کرنے والے ہمیشہ آگ میں نہیں رہیں گے۔ اگرچہ بے توبہ مریں کیونکہ جب بندہ کبیرہ گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا اور قرآن و حدیث سے ثابت ہو چکا کہ ہمیشہ آگ میں رہنا خاص دین کے منکروں اور کافروں ہی کے واسطے ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ گنہگار و مرتکبان کبائر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے اگرچہ توبہ کے بغیر مریں جب تک خدا تعالےٰ چاہے گا ان کو عذاب کریگا اور دوزخ میں رکھے گا آخر پاک کریگا اور بہشت میں پہنچا دیگا۔ پھر وہاں سے کبھی باہر نہیں لاوے گا۔

امام حکیم ترمذی نے نوادرالاصول میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ٹھیرنا بعض گنہگاروں کا دوزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اور بعض کا ایک دن اور بعض کا ایک مہینہ اور بعض کا ایک برس بعض کا اس سے زیادہ لیکن دنیا کی عمر سے زیادہ کوئی گنہگار دوزخ میں نہیں ٹھیرے گا اور وہ مدت سات ہزار برس کی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک اور ایسا ہی روایت کیا ہے ابن ابی حاتم اور ابن شاہین نے علی رضی اللہ عنہ سے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالےٰ نے اس آیۃ میں خبر دی ہے کہ مشرک اور کافر کو ہرگز نہیں بخشے گا باقی گناہ صغیرہ اور کبیرہ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو چاہے بخشے اور چاہے پکڑے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ اللہ جو چاہے کرے اور جو ارادہ فرماوے حکم دے۔ حاصل یہ کہ آدمی دو قسم کے ہیں مومن اور کافر مومن بھی دو طرح کے ہیں مطیع اور عاصی۔ عاصی بھی دو قسم ہیں توبہ کرنے والے اور توبہ سے محروم پس کفار اجماعا ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور مطیع اور عاصی توبہ کرنے والے بالاتفاق جنت میں رہیں گے رہا وہ گنہگار جس نے توبہ نہ کی ہو اگر خدا چاہے گا اسے عذاب کرے گا اور اس کے گناہوں کے مقدار دوزخ میں داخل کرے گا اور عذاب کے بعد پھر جنت میں داخل فرماوے گا اور جو چاہے گا کسی کی شفاعت سے یا بغیر شفاعت کے جنت میں داخل کردے گا عذاب نہیں دے گا۔

یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ (جس کو چاہے عذاب میں ڈالے اور جس کو چاہے بخشدے) سے یہی مراد ہے۔ گناہوں کے بخشدینے میں بہت حدیثیں ہیں ایک وہ حدیث ہے جو سوال کے باب میں مذکور ہوئی اور اسی کی مانند یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں دے گا وہ دیکھے گا کہ اس میں گناہوں کے سوا اور کچھ نہیں اور اعمال نامہ کی پشت پر نیکیاں ہونگیں کہ تمام خلائق اس کی نیکیوں ہی کو دیکھے گی بدیاں مخلوق سے پوشیدہ رہیں گی۔ پس اللہ تعالےٰ فرماوے گا اے بندے میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے تھے آج بخشدیئے اب بہشت میں

جا ہمیشہ وہاں رہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے عقل کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے کہ یہ بات زبان پر لاوے کہ کافر کو کیوں بخشا اور کس واسطے ایک کو بخشا اور دوسرے کو پکڑا یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے جس بات کا ارادہ کرتا ہے پس ظاہر ہوا کہ اس کا حکم ایسا ہے کہ وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا اور ممکن ہے کہ وعید میں خلاف ہو یہ صرف اس کا کرم ہے کہ کریموں کی ایسی عادت ہوتی ہے کہ جب انعام و احسان کا وعدہ کرتے ہیں اسے ضرور پورا کرتے ہیں کہ الکریم اِذَا وَعَدَ وَفَا جب غصے اور عذاب سے ڈراتے ہیں تو اس سے درگذر کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ وعدہ اور وعید دونوں کے خلاف نہیں کرتا ورنہ اس کی خبر میں جھوٹ لازم آوے اور وہ جھوٹ سے پاک ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ وعید کی خبروں میں ممکن ہے کہ اس کے کرم کے مقتضا کے موافق مشیت کی شرط مقدار ہو اگرچہ اس کی تصریح نہیں ہے اور وعدے جیسے ہونے والے تھے ویسے ہی ہوں اور وہ آیتیں اور حدیثیں جن میں مشیت کا بیان ہے تقدیر مشیت کا قرینہ ہوں یا وعید کی خبروں سے استحقاق عذاب کا مراد ہو نہ اس کا وقوع بالفعل مراد ہے یا فقط انشار وعید مراد ہے حقیقۃً خبر مراد نہیں۔ ان سب صورتوں میں کذب اور تکذیب لازم نہیں آتی واللہ الموفق وھو اعلم۔

وَیَجُوْزُ الْعِقَابُ عَلَی الصَّغِیْرَۃِ اور چھوٹے گناہ پر عذاب ہو سکتا ہے اس لیے کہ جب کفر کے سوائے گناہوں پر مواخذہ و عذاب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور صغیرہ بھی گناہ ہے تو اس پر بھی مواخذہ اور عذاب جائز ہوا۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَرْسَلَ رُسُلًا مِّنَ الْبَشَرِ اِلَی الْبَشَرِ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَمُبَیِّنِیْنَ لِلنَّاسِ مَا یَحْتَاجُوْنَ اِلَیْہِ مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ اور اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے آدمیوں میں سے آدمیوں کی طرف جنت کی خوشی سنانے والے اور دوزخ سے ڈرانے والے اور آدمیوں کو دنیا اور دین کے وہ کام بتانے والے جن کی طرف ان کو حاجت پڑے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے وہ خود فاعل و مختار ہے جو چاہتا ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے نہ

نہ اس کو ضرورت ہے اور نہ وہ کسی کا مجبور اور محکوم ہے نہ عقل کسی چیز کے واجب ہونے کا اس پر حکم کرتی ہے کہ خود اس کی محکوم ہے لیکن اس نے محض اپنے فضل وکرم سے وہ چیزیں کہ عالم کے باقی رہنے کا اور انسان کے کمال کا سبب ہوں اور اس کے دنیاو آخرت کے کاموں میں درستی واصطلاح کا باعث ہوں اپنے اوپر مقرر ولازم کرلی ہیں اور وہی ان کا ضامن وکفیل ہے جیسے رزق کا دینا بندوں کو ہدایت کرنا پیغمبروں کو بھیجنا۔ یہ کام اس پر واجب نہیں بلکہ اپنی عادت سے محض اپنے فضل وکرم سے ان کاموں کو کرتا ہے اور جب کہ عام مخلوق کو اتنی استعداد اور ایسی قابلیت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالے کی جانب سے بے واسطہ فیضیاب ہوسکیں اور ان کو عالم ملکوت تک پہنچنا نہایت دشوار ہے اس واسطے انھیں آدمیوں میں سے بعض کو برگزیدہ کیا اور ان کو اپنی ذات وصفات اور افعال کا علم سکھایا اور جن اموریں انسان کی بھلائی تھی وہ ان کو سکھا دیئے اور خلقت کی طرف ان کو بھیجا کہ وہ مخلوق کو خدا تعالے کی طرف بلاویں ہدایت کا راستہ سکھادیں اور جن چیزوں کی دنیاو آخرت میں ضرورت ہے۔ وہ بتلادیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کریم نے بہشت کو پیدا کیا اور اس میں نیکوں کے واسطے مقام مقرر کیا اور دوزخ بنایا اس کو نافرمانوں کے واسطے تجویز کیا اب ایسے کاموں کا معلوم کرنا جو اچھے ہوں اور بہشت میں لے جاویں یا برے ہوں اور دوزخ میں لے جاویں صرف عقل کا کام نہیں اس واسطے انبیاء کو بھیجا تاکہ وہ مخلوق کو بتلادیں کہ فلاں کام اچھے ہیں اور فلاں برے پھر خلق کو حجت اور عذر باقی نہ رہے چنانچہ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ تاکہ نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کی جگہ رسولوں کے آنے کے بعد۔ اور فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے عالموں کے۔ فی الواقع تمام علوم کے مادے اور ان کے اصول خواہ زمین کے متعلق ہوں یا آسمان کے متعلق ہوں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے ذریعہ سے تمام مخلوق کو پہنچے ہیں علم کا مبدار اور چشمہ وحی آسمانی ہے

ہے تمام عالم اور حکیم اسی سے حاصل کرتے ہیں سب نے اسی سرچشمہ سے پانی پیا ہے یہ ممکن ہے کہ قیاس یا اجتہاد ریاضت و مجاہدہ کے سبب علماء نے اور باتیں بڑھائی ہوں مگر وہ اس کی شرح اور تفسیر ہے۔ اگر یہ خیال گذرے کہ بعض علوم شریعتوں کے مخالف ہیں اس کا کیا سبب ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ سنت اللہ اسی طرح ہے کہ شرائع سابقہ منسوخ ہوں وقت کے موافق احکام بدلے جائیں جب یہ صورت ہوئی بعض اشخاص پہلے دین پر رہے اور نئے پیغمبروں کی متابعت کے مخالف ہوئے اور محروم رہے بعض نے تحریف کر کے بہت چیزیں بڑھادیں اور ایک جماعت ایسی ہوئی کہ انھوں نے اپنی عقل بوالفضول سے اوہام باطلہ اور خیالات واہیہ کو دخل دے کر قیل وقال اور بحث وجدال کا دروازہ کھول دیا۔ اور ایک فرقہ کا یہ اعتقاد جم گیا کہ حکیموں نے صرف اپنی ریاضت و استدلال سے بغیر کسی کے پڑھائے علوم ایجاد کئے ہیں کسی کا واسطہ بیچ میں نہیں یہ اعتقاد و خیال غلط اور نہایت بعید ہے علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ استاد ہی ہے اور مطالب زیادہ حاصل ہوں وہ فہم و استنباط سے ہوسکتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم اس میں اشارہ ہے کہ علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور علم بردباری سے آتا ہے۔

وَأَیَّدَهُمْ بِالْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَةِ وَالْاٰیَاتِ السَّاطِعَةِ الْمُفِیْدَةِ لِلْیَقِیْنِ اور تائید فرمائی اللہ تعالےٰ نے انبیاء کی ظاہر معجزوں اور چمکتی نشانیوں کے ساتھ جن پر یقین اور ایمان حاصل ہوتا ہے چونکہ ہر ایک دعوی کے واسطے دلیل کی ضرورت ہے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جو رسالت کا دعوی کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ہم سفیر ہیں مابین پروردگار اور مخلوق کے معجزوں کا ان سے ہونا ان کے دعوی کی دلیل ہے۔

معجزہ اس خرق عادت کو کہتے ہیں جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور اس کے دعوی کے موافق ہو نبی کے سوائے غیر نبی اس کے لانے سے عاجز ہو۔ خرق عادت کے یہ معنی ہیں کہ بغیر سبب ظاہری کے وہ کام نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ یعنی حکیم مطلق

نے دنیا میں تمام کام اسباب پر موقوف رکھے ہیں سنت الٰہی یہی ہے کہ بغیر سبب کے کام پیدا نہیں کرتا اسی کو عادت کہتے ہیں اور کبھی اپنی قدرت سے عادت کو توڑ کر بے سبب اپنے رسول کے ہاتھ پر اس کام کو پیدا کر دیتے ہیں تاکہ اس کی رسالت کی دلیل ہو پس معجزہ فعل اللہ ہی کا ہے نہ رسول کا اس واسطے کہ اللہ تعالےٰ کی عادت کا توڑنا بندہ سے ممکن نہیں ہے۔ معجزہ نبی کے سچے ہونے کی دلیل یقینی ہے۔ معجزہ کو دیکھتے ہی نبی کے سچے ہونے کا علم بے اختیار دل میں حاصل ہو جاتا ہے اور نفس اس کی تصدیق میں مجبور ہو جاتا ہے انکار کی طاقت اور مجال نہیں رہتی نفس کی جبلی اور پیدایشی خاصیت یہی ہے۔ نبوت کا دعویٰ ایک امر عظیم ہے اس واسطے برہان بھی ایسی ہی چاہئے کہ اعلےٰ درجہ کی ہو پس معجزہ اللہ تعالےٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہے اس کے غلبہ اور رعب کے آگے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے بخلاف دلائل عقلیہ و نقلیہ کے گویا چند گرہ ہیں کہ خیال کے تاگے میں لگائی ہیں ان سے دشمن کو الزام دینا اور مخالف کو ساکت کر دینا نہایت مشکل ہے نزاع اور جدال کا راستہ ان سے بند نہیں ہوتا چنانچہ علم کلام اور فلسفہ کے دلائل اسی قسم کے ہیں۔

پس اگر معجزہ دیکھنے کے بعد بھی کوئی کافر رہے یہ کفر اس کا صرف عناد اور ازلی بدنصیبی کے سبب ہے۔

وَاَوَّلُ الْاَنْبِيَاءِ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَآخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سب سے پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام ہیں اور سب کے آخر میں یعنی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ اللہ کریم نے فرمایا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری سے دین کا کامل کرنا اور مکارم اخلاق کا پورا کرنا تھا جب یہ مقصود حاصل ہو گیا اور دین و اخلاق دونوں پورے و کامل ہو چکے تو حضور کے بعد اور کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی حضور کے خلفاء اور دین کے علماء جو

اسلام کے مددگار اور محافظ ہیں۔ قیامت تک اسلام کی نگہبانی اور اس کی اشاعت کے واسطے کافی ہوئے۔

وَالْاَوْلٰی اَنْ لَّا یُعَیَّنَ عَدَدُھُمْ بہتر یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد مقرر نہ کریں اگرچہ بعض حدیثوں میں ہے کہ تمام پیغمبر ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے ہیں لیکن قرآن مجید میں فرمایا ہے مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ یعنی بعض انبیاء کا حال ہم نے تمہارے سے بیان کیا اور بعض کا بیان نہیں کیا یعنی ان کا نام بھی نہیں بتلایا اور نہ احوال ذکر کیا اور ممکن ہے کہ اس خبر کے بعد فرمایا ہو لیکن قرآن مجید میں نہیں فرمایا اس کے مجمل اور پوشیدہ رکھنے میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم۔

**اور ذوالقرنین کی نبوت میں اختلاف ہے** بعض کے نزدیک وہ پیغمبر ہیں اور اکثر کہتے ہیں کہ وہ مسلمان عادل بادشاہ تھے اور یہی حق ہے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے بعض ذوالقرنین کو فرشتہ کہتے ہیں مگر یہ بات نہایت بعید ہے۔ نام میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام اسکندر ہے بعض نے عبداللہ و مرزبان و مرزبی و ہرمن سوائے ان کے اور بھی بیان کئے ہیں اور یہ اسکندر رومی فیلقوس کا بیٹا ہے جس کے مصاحب حضرت خضر تھے اور جس نے آب حیات کے چشمے طلب کئے اور نپایا اور اسکندر یونانی دوسرا تھا وہ یونان یافث کے بیٹے نوح علیہ السلام کے پوتے کی اولاد میں تھا ارسطو اس کا وزیر تھا اور اکثر کا قول ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا بعض کہتے ہیں کہ موسےٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے اور بقول ابن عبدالحق کہ امام حدیث و تفسیر کے ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ چار شخص مشرق سے مغرب تک دنیا کے مالک ہوئے ہیں دو مسلمان ایک حضرت سلیمان علیہ السلام۔ دوسرا ذوالقرنین دو کافر ایک نمرود۔ دوسرا بخت نصر اور پانچویں امام مہدی علیہ السلام ہوں گے کہ آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے۔ سکندر کا نام ذوالقرنین ہونے میں کئی قول ہیں وھب بن

منبہ کہتے ہیں کہ دو قرن زمین کا مالک تھا یعنی زمین کے دونوں جانب مشرق اور مغرب کا مالک تھا۔ یا ایک روم دوم فارس۔ یا ایک روم دوم ترک۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے دو گیسو تھے اس واسطے اُسے ذوالقرنین کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کے سر پر دو سینگ بیل کی مانند تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے دو قرن بادشاہت کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہاد میں اس کے سر پہ دونوں طرف دو زخم آئے تھے اس لیے اس کو ذوالقرنین کہتے ہیں اور ابن کواسے جو اصحاب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہیں کسی نے پوچھا کہ ذوالقرنین پیغمبر تھا کہا کہ نہیں مگر مرد صالح تھا خدا تعالے کے رستہ میں اس کے سر پہ داہنی طرف زخم آیا اور مر گیا۔ اللہ تعالے نے اس کو زندہ کر دیا پھر بائیں طرف زخم آیا اور مر گیا۔ خدا تعالے نے پھر جلا دیا اس وقت سے اس کا نام ذوالقرنین ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آفتاب تک پہنچا اور اس کے دونوں طرفوں کا مالک ہو گیا جب سے اس کا نام ذوالقرنین ہو گیا واللہ اعلم۔

**لقمان کی نبوت میں بھی اختلاف ہے۔** یہ حضرت ایوب علی نبینا و علیہ السلام کے خواہرزادہ تھے بعض کے نزدیک خالہ زاد بھائی تھے بعض کہتے ہیں کہ بنی تھے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ ولی اللہ اور حکیم تھے ہزاروں پیغمبروں کی خدمات اور شاگردی کئے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے یہ منقول ہے کہ لقمان نبی تھے بادشاہ نہیں تھے بلکہ غلام حبشی تھے بکریاں چرایا کرتے تھے اللہ تعالے نے انکو برگزیدہ کیا اور حکمت و جوانمردی عطا کی اور اپنی کتاب میں انکا ذکر کیا۔

**حضرت خضر علیہ السلام** کی نسبت صحیح امر یہ ہے کہ وہ نبی معمر بڑی عمر والے ہیں مخلوق کی آنکھوں سے محجوب ہیں آب حیات پیئے ہوئے ہیں قیامت تک زندہ رہیں گے بعض کے نزدیک ولی ہیں لیکن جو فرشتہ کہتے ہیں ان کا قول باطل ہے اور جمہور اہل علم و صلاح کا یہی قول ہے کہ وہ زندہ ہیں اور نہیں مریں گے جب تک کہ دنیا سے قرآن مجید نہیں اٹھایا جاوے گا۔ حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ وہ نبی ہیں سخاوی نے بھی یہی کہا ہے اور قسطانی نے بخاری کی شرح میں

لکھا ہے کہ خضر خ کے زبر اور ضاد نقطہ دار کے زیر سے اور خ کسر کے زیر اور ضاد نقطہ دار کے سکون سے ہے ان کا نام بلیا بن ملکان ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ فرعون کے پسر تھے مگر یہ قول نہایت غریب اور شاذ ہے۔ بعض کہتے ہیں مالک کے پسر الیاس کے بھائی ہیں بعض کے نزدیک آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں واللہ اعلم۔ حاصل کلام یہ ہے کہ باتفاق مشائخ صوفیہ اور بقول جماہیر علماء حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور محدثین کی ایک جماعت جن میں امام بخاری و ابن المبارک اور حربی و ابن جوزی ہیں حضرت خضر کی حیات کا انکار کرتے ہیں ان حضرات محدثین کی دلیل وہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے زمانے کے قریب فرمایا کہ کوئی جاندار روئے زمین پر سو برس کے بعد باقی نہیں رہے گا مگر اس حدیث میں تاویلات ہیں اور خضر علیہ السلام کی ملاقات اولیاء اللہ سے شہرت کے درجہ کو پہنچی ہے اور انھوں نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تعزیت کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا لَوْ کَانَ الخضر حَیًّا لَزَارَنِیْ یعنی اگر خضر زندہ ہوتے تو مجھ سے ملتے ملاقات سے پہلے کا ہے اس قسم کی ملاقات عرف و عادت پر ہے اس واسطے کہ خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیثیں نقل کی ہیں اور بعض مشائخ رحمہم اللہ نے وہ حدیثیں ان سے سُنی ہیں۔

حضرت مریم اور آسیہ و سارہ و ہاجرہ و حوا اور اُمّ موسیٰ میں جن کا نام یوحلند ہے (علیہن السلام) کی نبوت میں ایک قول آیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے اور قرآن شریف میں موجود ہے کہ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ یعنی اور ہم نے نہیں بھیجے آپ سے پہلے رسول مگر مرد جن کی طرف ہم بھیجتے رہے ہیں اگرچہ قرآن میں ان عورتوں کی طرف وحی کی نسبت واقع ہوئی ہے اور ان کو پیغمبروں کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن اس سے ان کی پیغمبری اور نبوت پر حکم نہ کرنا چاہیے کہ وحی سے ان مقاموں پر الہام و اعلام مراد ہے چنانچہ فرمایا وَاَوْحٰی

رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اور تیرے رب نے وحی بھیجی شہد کی مکھیوں طرف اور انبیار کے ساتھ ان کا ذکر ان کی بزرگی و اکرام کے واسطے ہے۔

وَكُلُّهُمْ كَانُوْا مُبَلِّغِيْنَ عَنِ اللّٰهِ صَادِقِيْنَ مَعْصُوْمِيْنَ غَيْرَ مَعْزُوْلِيْنَ یعنی تمام انبیار اللہ تعالےٰ کی طرف سے احکام پہنچانے والے سچے اور گناہوں سے پاک تھے اور معزول نہیں ہوئے اپنے منصب نبوت سے یعنی جو کچھ پیغمبروں نے کہا سب سچ کہا اور جو کچھ لائے خدا تعالےٰ کے پاس سے لائے جو امر و نہی کرتے ہیں وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے کرتے ہیں گناہوں سے معصوم ہیں جب معجزہ سے رسالت کا دعویٰ ثابت ہوا اب جو کچھ وہ کہتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ اور نہیں رسول کے ذمہ سوائے پہنچانے کے اور اگر وہ جھوٹ بولیں جو حکمت ان کے ارسال سے ہے وہ باطل ہو جاوے اور اگر گناہ کریں خلقت ان سے نفرت پکڑے نصیحت اور ارشاد کا راستہ مسدود ہوا انبیار کی عصمت جھوٹ بولنے اور کبیرہ گناہ کرنے سے مطلق ہے نہ قصداً گناہ کرتے ہیں اور نہ بھول کر گناہ کرتے ہیں صغیرہ گناہ بھی ان سے عمداً نہیں ہوتا اور بعض کے نزدیک کبیرہ بھولے سے اور صغیرہ قصداً جائز ہے لیکن وہ گناہ جو نفرت کا سبب ہو اور خسّت پر دلالت کرتا ہو وہ کسی صورت میں جائز نہیں جیسے چوری ایک لقمہ کی یا حقیر چیز کی یا مثلاً لین دین میں ایک رتی بھر کی کمی اور جمہور اہل سنت کے نزدیک مختار یہی ہے کہ معصوم ہیں کبائر و صغائر سے عمداً و سہواً اور ان کے مرتبہ عالی اور منصب عظیم کے لائق بھی یہی ہے صلوات اللہ علیہم اجمعین ایسا ہی ذکر کیا ہے بعض فقہار اور محدثین ساکنین مدینہ نے قصیدہ امالیہ کی شرح میں۔ احکام آلہی کے پہنچانے میں اور کاموں میں جو رسالت کے متعلق ہیں ہر گز ہر گز ان سے سہو نہیں ہوتا ہاں ان کے سوا اور افعال میں سہو ہو سکتا ہے چنانچہ سجود سہو کے باب میں مذکور ہے اور وہ خطائیں اور لغزشیں جو انبیار علیہم الصلوٰۃ و والسلام کی نسبت مذکور ہیں بعض ان میں سے صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں ان کی تاویلات

ہیں کتابوں میں مذکور ہیں ان کے ظاہر کا معتقد نہ ہونا چاہیے۔

اور انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم معزول نہیں ہوتے اللہ کریم نے اپنے فضل و کرم سے جو مرتبہ رسالت اور نبوت کا ان کو عطا فرمایا ہے وہ اُن سے اُلٹا واپس نہیں لیتا رسالت موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ انبیا علیہم السلام کو موت نہیں وہ زندہ اور باقی ہیں ان کے واسطے وہی ایک موت ہے جو ایک دفعہ ہو چکی اس کے بعد ان کی روحیں بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں اور جو حیات ان کو دنیا میں تھی وہی عطا فرماتے ہیں یہ حیات انبیاء شہدہ کی حیات سے کامل تر ہے کیونکہ شہدا کی حیات معنوی اور پوشیدہ ہے۔

اور نسخ ہونا شریعت کا نبوت سے معزول ہونا نہیں ہے اور اولیاء معزول ہونے کے خوف سے اور خاتمہ کے ڈر سے دنیا میں بے خطر نہیں ہیں اگر ایمان پر گئے ہیں مومن اور ولی ہیں جیسے مثلاً خواب کی حالت میں ہوں۔

قبروں سے استعانت و استمداد میں فقہاء کو کلام ہے یہ کہتے ہیں کہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے قبور کی زیارت سے مقصود صرف عبرت اور موت کا یاد کرنا ہے یا موتی کو نفع پہنچانا ہے ان کے حق میں استغفار کرنا اسی طرح حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیارت قبور نفع غرقد میں ثابت ہے۔ اور مشائخ صوفیہ صافیہ قدس اللہ اسرارہم کہتے ہیں کہ بعض اولیاء کا تصرف عالم برزخ میں بھی باقی رہتا ہے اور ان کی ارواح مقدسہ سے توسل و استمداد ثابت اور فائدہ مند ہے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جن حضرات سے بحالت حیات ان کے توسل اور برکت حاصل کرتے تھے بعد وفات بھی ان سے توسل اور برکت حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا حدیثوں اور اجماع سے ثابت ہے اور بحالت حیات و بعد وفات روح ہر حال میں متصرف ہے بدن کو تصرف سے کچھ تعلق نہیں اور متصرف حقیقی اللہ تعالےٰ ہے ولایت کے معنی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ہیں یہ نسبت موت کے بعد پوری اور کامل ہو جاتی ہے۔ اہل کشف اور محققین کے نزدیک

یہ بھی ثابت ہے کہ زیارت کرنے والے کی روح اہل مزار کی روح سے انوار اور اسرار کا عکس قبول کرتی ہے جیسے آئینہ کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ ہو اور اس میں عکس پڑے۔ اولیاء اللہ کے بدن مثالی بھی ہوتے ہیں جن سے وہ ظاہر ہو کر طالبان کی امداد کرتے ہیں اور جو صاحب اس کے منکر ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

ایک بزرگ نے مشائخ میں سے فرمایا ہے کہ میں نے اولیاء اللہ میں سے چار ایسے دیکھے ہیں کہ اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں جیسا تصرف زندگی میں کرتے تھے ایک حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ۔ دوم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دو اور بیان کئے غرض یہ کلام شرح اور بسط کا طالب ہے خدا چاہے تو ایک رسالہ میں تفصیل کے ساتھ اس کا بیان کیا جاوے گا اور تھوڑا سا کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں کہ مدینہ منورہ کے بیان میں ہے لکھا گیا ہے واللہ اعلم۔

وَاَفْضَلُ الْاَنْبِیَآءِ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اور سب پیغمبروں میں افضل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں حضور کی نبوت معجزات ظاہرہ اور آیات باہرہ سے ثابت ہے جن کی نقل تواتر کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ ہر ایک نبی کے معجزات ایک جنس یا دو جنس سے خاص تھے اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہر جنس میں تھے اور بہت تھے یہاں سے معلوم ہوا کہ حضور کا تصرف تمام اجزاء عالم میں تھا زمین میں آسمان میں ملک اور ملکوت میں جو کمالات تمام انبیاء سابقین کی ذوات مقدس میں پائے جاتے تھے حضور کی ذات عالیہ میں وہ تمام کمالات جمع تھے۔ ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور فرماتے ہیں اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی میں آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کا سردار ہوں اور یہ کچھ فخر نہیں ہے وُلد آدم اور بنی آدم کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے پس آدم علیہ السلام بھی اس میں داخل ہوئے چنانچہ دوسری حدیث

میں فرمایا آدمؑ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ یعنی آدم علیہ السلام اور جو ان کے سوا ہیں میرے نشان کے نیچے ہوں گے بعد حضور کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فضیلت اور بزرگی ہے ان کے بعد موسےٰ اور عیسیٰ اور نوح علیہم السلام ہیں یہ پانچ رسول اولوالعزم ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین سے افضل اور بزرگ ہیں اللہ تعالےٰ کے راستہ میں ان کا مجاہدہ اور صبر سب سے زیادہ ہے اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا معجزہ قرآن شریف ہے اللہ تعالےٰ کی صفت اور اس کا کلام قدیم ہے قیامت تک دنیا میں باقی ہے اور معجزے اگرچہ ظاہر ہو کر گذر گئے مگر یہ نقل متواتر ثابت ہیں گویا مشاہدہ میں موجود ہیں۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن شریف کے سچے ہونے پر بھی ایک آیۃ بڑی دلیل ہے کہ اُن قریش کے روبرو جو تمام عرب کے فصاحت و بلاغت میں پیشوا سمجھے جاتے تھے دین اسلام اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت دشمن تھے یہ دعویٰ پیش کیا گیا وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ترجمہ اگر تم کو اس کلام میں جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اتاری ہے کچھ شک ہو تو لے آؤ اس کی مانند ایک سورۃ۔ اور اُس زمانہ سے اب تک کسی سے اس کا جواب نہ بن آیا اور ملک عرب میں اس وقت عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا اس فن فصاحت کے بڑے بڑے کامل موجود تھے کہ انھوں نے فصاحت کا دعویٰ روئے زمین پر کیا آسمان تک پہنچایا تھا اس لیے اللہ کریم نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی جنس کا یہ معجزہ عطا کیا کیونکہ اکثر پیغمبروں کو اُسی طرح کے معجزے عطا ہوئے ہیں کہ جن چیزوں میں ان کے ملکوں کے رہنے والوں کو نہایت درجہ کا کمال اور فخر ہوا جیساکہ موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں طب کا بہت چرچا تھا تو ان کو اسی قسم کے معجزے عنایت ہوئے اسی طرح آپ کے عہد میں عرب کو فصاحت و بلاغت میں کمال حاصل تھا تو آپ کو قرآن مجید کا معجزہ مرحمت ہوا۔ مقام غور ہے کہ وہی کلمات وہی الفاظ وہی حروف اور وہی ان کی

زبان وخاص و عام اور چھوٹے بڑے سب اس کو جانتے تھے اور ہر وقت اُسے بولتے تھے قرآن مجید کے مقابلہ میں ایسے عاجز ہوئے کہ سب کے سب جمع ہو کر بھی ایک آیۃ قرآن کی مانند بنا کر نہ لا سکے۔ روایت ہے کہ جب سورہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کہ قرآن مجید کی پہلی آیۃ ہے نازل ہوئی تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے اس کو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا بموجب عادت فصحائے عرب کے کہ جب کسی کلام کو وہ بہت اچھا سمجھتے تھے اور اس پر ان کو فخر ہوتا تھا تو اس کو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیتے تھے تاکہ ہر شخص اس کو دیکھے۔ پس جب ہر شخص کی نظر اس کلام ربانی پر پڑی سب نے اس کو دیکھا اور اس کلام کی متانت اور طرز سخن میں غور کی تو حیران رہ گئے اور یہی کہا کہ یہ کلام آدمیوں کا نہیں ہے اور ایسا کلام لانا آدمی کی قدرت سے باہر ہے۔ معتزلہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قرآن مجید کی مانند کلام تالیف کرنے کی وہ لوگ طاقت رکھتے تھے لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ نے قرآن مجید کے معارضہ اور مقابلہ سے ان کی ہمتوں کو لپست کر دیا اور دلوں کو پھیر دیا تھا اور ان کے منہوں پر مہر لگا دی تھی اس سبب سے وہ اس کی مانند ایک آیۃ بھی نہ بنا سکے اور اس میدان میں ایک قدم بھی نہ رکھ سکے۔ اصل مقصود تو اس سے بھی حاصل ہے کہ باوجود یہ کہ ان کو ایسی کلام تالیف کرنے کی قدرت تھی اور اس بات میں مقابلہ اور معارضہ کرنے کی حرص رکھتے تھے ان کی ہمتوں کا اس طرف سے پھر جانا اور ان سب کی زبانوں کا بالکل بند ہو جانا یہ بھی تو اعجاز ہے مگر معتزلہ کا یہ کلام محض بیہودہ اور نرا وہم ہے۔ انھوں نے کس طرح اور کس دلیل سے جانا کہ قرآن کی مانند کلام بنانے کی قدرت رکھتے تھے حق یہی ہے کہ کوئی شخص سوائے اللہ تعالےٰ کے ایسے کلام بنانے کی ہرگز قدرت نہیں رکھتا اور نہ اس وقت سے اب تک کوئی نہ کوئی تو کچھ نہ کچھ بناتا۔ اس مضمون کو خود قرآن مجید بلند آواز سے پکارتا ہے سنو اور غور کرو قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ترجمہ اے محمد کہدو اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی مدد کریں اس سے زیادہ اور کیا دعویٰ ہوگا اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیک

عادتیں اور خصلتیں اور صفتیں اور اخلاق حسنہ دیکھیں اور غور کریں تو یقین کامل ہو جاوے کہ آپ کا وجود پاک سر سے پاؤں تک اللہ تعالے کی نشانی اور اعجاز ہے اور بالکل حسن و ناز ہے۔

ہر جلوۂ جمال ترا ناز دیگر است　　ہر نغمہ کمال ترا ساز دیگر است

اعجاز حسن را بسخن ہست احتیاج　　ہر غمزہ ز چشم تو اعجاز دیگر است

وَهُوَ مَبْعُوثٌ اِلٰى كَافَّةِ الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام خلقت کے رسول ہیں آدمیوں اور جنات کے اسی واسطے آپ رسول الثقلین کہلاتے ہیں آپ کی حضور میں جنوں کا حاضر ہونا اور ایمان لانا اور قرآن شریف کا سننا اور اپنی قوم میں جا کر ان کو اسلام کی طرف بلانا یہ سب قرآن شریف میں موجود ہے۔ اکثر علمار کے نزدیک انس و جن کی طرف رسالت کا عام ہونا حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے خاص ہے شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ بلاشبہ جن ہمیشہ سے مکلف ہیں اور مکلف جب ہی ہوتے ہیں کہ پیغمبر سے خود سنیں یا کسی ثقہ صادق القول کے ذریعہ سے روایت پہنچے اور اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ جنوں میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ قرآن شریف میں جنوں کا یہ قول مذکور ہے قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ کہا جنوں نے اے قوم ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو اتری ہے موسےٰ کے بعد۔ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی بتاتی ہے حق بات اور سیدھی راہ۔ اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ یہ جن پہلے سے موسےٰ علیہ السلام کی شریعت پر ایمان رکھتے تھے اور اس پر چلتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جن اور پیغمبروں پر بھی ایمان لاتے تھے مگر ان کے روبرو حاضر نہیں ہوتے تھے فقط کتاب اللہ کو سن کر اور شریعت کے احکام کو معلوم کر کے عمل کرتے تھے ان پیغمبروں کو بالمشافہ جنوں کی دعوت میسر نہیں ہوئی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو خطاب کیا اور دعوت فرمائی یہ امر بالمشافہ جنوں کو دعوت دینا خصوصیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ یہی مذہب ضحاک کا ہے اور یہ ظاہر

ہے انتہی اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کی رسالت فرشتوں کو بھی شامل ہے پر یہ قول شاذ ہے۔ اور اہل تحقیق کے نزدیک آپ کی رسالت عالم کے سب اجزاء اور ٹکڑوں پر اور موجودات کی سب قسموں پہ جمادات ہوں یا نباتات یا حیوانات اور موجودات کے کل ذروں اور تمام چھپی ہوئی چیزوں کی مربی اور کامل کرنے والی ہے کہ پتھروں کا سلام کرنا ——— اور درختوں کا سجدہ کرنا اور جانوروں کا آپ کی رسالت پر گواہی دینا اس پر گواہ ہے فرق یہی ہے کہ آدمیوں اور جنوں کو اپنے افعال میں ارادے اور اختیار والا پیدا کیا ہے اسی سبب سے کفر اور گناہ ان سے صادر ہوئے اور باقیوں سے سوا اطاعت اور ایمان کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا جیسا کہ فرشتوں سے اور یہ آیت شریف بھی اس پر دلالت کرتی ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے رسول مگر واسطے رحمۃ عالمین کے وَمِعۡرَاجُهٗ فِی الۡیَقۡظَةِ بِشَخۡصِهٖ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ اِلٰی مَاشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی حَقٌّ اور معراج حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاگتے میں جسم مبارک کے ساتھ آسمان تک ہوا اور اس کے آگے تک جہاں تک اللہ تعالےٰ نے چاہا یہ سب حق ہے ایمان کا امتحان معراج کی تصدیق میں ہے کہ اتنی تھوڑی دیر میں بیداری کی حالت میں مع جسم اطہر کے عرش اعظم سے اوپر بلکہ لامکان میں اُن خصوصیات اور قصبوں کے ساتھ کہ صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں حضور نے سیر فرمائی یہ نسبت عالم الٰہ اور روحانیات میں محقق ہے کہ وہ زمانہ کی تنگی اور جہت سے ماہر ہیں۔ بزرگان اہل کشف اور شہود نے اس کو بیان کیا ہے۔

ایمان یہ ہے کہ اس خبر کو سنتے ہی بے توقف و بے تامل اور بلا دریافت اس کی حقیقت اور کیفیت کے یقین کامل ہو جانا لازم ہے۔ ذرا تردد اور خلجان باقی رہنا نہیں چاہیئے پھر اگر اس حالت کا ادراک اور اس مرتبے کی حقیقت حاصل ہو جائے اور اللہ تعالےٰ اس پر اطلاع بخشے تو یہ راستہ دوسرا ہے کہ اس کو اللہ تعالےٰ کی معرفت والے اور درگاہ ربانی کے خاص بندے جو اپنے اوپر سے بشریت کی چادر دور کرنے والے ہیں جانتے ہیں۔ جہاں سچی محبت اور تسلیم اور کامل ایمان ہے وہاں

تصور اور تامل کرنے کی فرصت کہاں ہے یہاں تو سننا اور ایمان لانا توام یعنی ملے ہوئے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق اُسی روز سے ہوا کہ انھوں نے بے تامل و توقف معراج کے قصے کی تصدیق کی اور فوراً ایمان لائے اور کتنے مسلمان ایسے شک میں پڑے کہ ان میں سے بعض مرتد ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلے ابتداً میں ایمان لانا بھی بغیر طلب معجزہ اور دلیل کے تھا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور آیات کا نور اُس وقت چمک رہا تھا مگر اُنھوں نے کچھ دریافت نہیں کیا اور فوراً بے توقف ایمان لے آئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے تشریف لائے اور اللہ تعالےٰ کے دیکھنے کا حال آپ سے پوچھا تو حضور نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا جواب دیا جس میں کھلی حقیقت تھی اور بعض کو مجاز کے پردہ میں جواب دیا اور ہر شخص سے اس کی حالت اور استعداد کے مطابق کلام کیا پس معلوم ہوا کہ ہر کوئی اس قابل نہیں ہوتا ہے کہ اُس سے حقیقت ظاہر کی جاوے اور بھید کھولا جاوے۔ بات تو ایک ہی ہے لیکن عبارت اور لفظوں کا فرق ہے اور حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہی ہے ورنہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا ہر حال میں ہر شخص کو جائز ہے۔ معراج کی کیا خصوصیت ہے بعض کہتے ہیں دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہے اور دل سے جاننا اور ہے واللہ اعلم۔

وَاُمَّتُہٗ خَیْرُ الْاُمَمِ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سب امتوں سے بہتر ہے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب نبیوں سے افضل اور بہتر ہیں فرمایا قرآن شریف میں کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اے اُمت محمدیہ تم بہترین امتوں کے ہو جو بنی آدم میں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ تمھاری عمر اور بقا کا زمانہ پہلی امتوں کی عمروں اور بقا کے زمانہ کی نسبت ایسا حکم رکھتا ہے کہ جیسا عصر سے مغرب تک کا وقت کہ باوجود تھوڑے ہونے وقت کے تم کو اول سے زیادہ ثواب دیں گے اور تمھارے حال کی یہود اور انصاری کے حال کی نسبت حضرت رسول مقبول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص نے کئی مزدوروں سے مزدوری کرائی ایک مزدور سے صبح سے ظہر کے وقت تک اور ایک قیراط مزدوری کا اس سے مقرر کیا دوسرے سے ظہر سے عصر تک اور اس کے لئے بھی اتنی دیر کا ایک قیراط مقرر کردیا اور تیسرے سے عصر سے مغرب تک اور اس کے دو قیراط ٹھہرائے اور دیئے پس پہلے دونوں بہت غصے ہوئے اور جھگڑنے لگے کہ اس تفاوت کا کیا سبب ہے کہ ہم دونوں نے اس سے بہت زیادہ مزدوری کی اور ایک ایک قیراط پایا اور اس کو تھوڑی مزدوری پر دو قیراط ملے اس کا کیا باعث۔ اس شخص نے جواب دیا کہ تم سے جو مزدوری ٹھہرائی تھی حوالہ کردی اور اس کو ہم نے اپنے فضل سے زیادہ دیا کہ ہم کو اپنے مال کا اختیار ہے جیسے چاہیں دے دیں۔ سو اول سے یہود کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے نصاریٰ کی طرف اور تیسرے سے اس اُمّتِ مرحومہ کی طرف کہ پیدائش میں یہ اُمت متاخر ہے اور کثرت ثواب و فضائل میں متقدم ہے اس اُمت کے ثواب میں بہت حدیثیں آئی ہیں اور حقیقت میں جو علوم و معارف اور عجائب و غرائب و حقائق کہ اس اُمت کے ہر ہر شخص سے ظاہر ہوئے ہیں کسی اُمت سے ظاہر نہیں ہوئے اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں۔

وَشَرِیْعَتُهٗ اَکْمَلُ الشَّرَائِعِ وَدِیْنُهٗ نَاسِخُ الْاَدْیَانِ شریعت محمدیؐ پہلی تمام شریعتوں سے زیادہ کامل اور جامع ہے اور دین محمدیؐ تمام ادیان سابقہ کا ناسخ ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہوئے تو حضور کے بعد کوئی دین اور شریعت نہیں ہو سکتی اور کسی کمال کا انتظار باقی نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حمیدہ کی تکمیل کروں۔ موسےٰ علیہ السلام کی شریعت میں قہر و جلال بہت تھا جیسے توبہ کے واسطے نفسوں کا قتل کرنا۔ پاک چیزوں کا حرام ہونا۔ غنیمت کے مال کا منع ہونا۔ عذابوں کے نازل ہونے میں جلدی ہونا موسیٰ علیہ السلام میں عظمت وہیبت اور غصہ کی شدت اور اعداء دین پر سختی کرنی اس قدر تھی کہ کسی کو

ان کی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں تھی۔

اور عیسیٰ علیہ السلام لطف و مہربانی کا مظہر تھے اور اُن کی شریعت میں فضل و احسان بہت تھا کہ قتال و عذاب کا اس میں بالکل حکم نہ تھا بلکہ اُن پر قتال حرام تھا۔ انجیل سے یہ فقرات نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی تیرے رخسارہ پر طمانچہ مارتے تو دوسرا رخسارہ بھی اس کے آگے کر دے اور جو کوئی شخص تیرے کپڑے کے کونہ کو ہاتھ سے پکڑے تو وہ کپڑا اس کو دے دے اور جو شخص ایک میل تک تمسخر کرتا ہوا تیرے ساتھ جاوے تو دو میل ساتھ جا اور اس پر احسان کر۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات مقدس میں ہر کمال کے مظاہر کو پورا کر دیا اور جمال وجلال کی صفتوں کو اکٹھا کر دیا تھا۔ لطف وقہر کو ملا دیا تھا موسےٰ علیہ السلام کی قوت وصلابت و عدل و شدت کا بھی آپ میں کمال تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا لطف وکرم اور فضل و علم بھی آپ میں بیحد تھا اسی سبب سے ہر چیز میں اعتدال تھا چنانچہ آپ نے فرمایا انا الضحوك القتول یعنی میں ہمیشہ ہنستا رہتا ہوں اور عین ہنسی میں قتل کرتا ہوں یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت کا کمال ہے۔

بخندۂ نمکین دل بری و جاں بخشی ✣ تبارک اللہ ایں چہ خندۂ وچہ لب است

قولہ تعالیٰ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔ اس آیہ شریفہ میں بھی حضور کی عدالت اور توسط شریعت کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات شریفہ اور فضائل جمیلہ اور حضور کی شریعت مطہرہ اور احکام معتدلہ سے اس دین اسلام کے معتدل ہونے کی ساری حقیقت کھل سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

وَاَصْحَابُہٗ خَيْرُ الْاُمَّةِ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی ساری اُمت سے بہتر اور افضل ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حضور کی صحبت اور نصرت کے لئے پسند کیا اور اس دین قویم کی

تقویت اور اس ملت عظیم کی اعانت اُن سے کرائی وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا یعنی تھے صحابہ لائق صحبت اور امداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور اہل ان خدمات کے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اسقدر حدیثیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح اور بزرگی میں آئی ہیں کہ ان کے دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا مرتبہ ساری اُمت سے زیادہ ہے اور ان کا ثواب سب سے بڑا ہے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی جبل احد کی برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے آدھے پیمانہ جو دینے کے برابر نہیں ثواب نہیں مل سکتا اور حدیث خیر القرون قرنی بھی اسی مدعا پر دلالت کرتی ہے اس کے سوا اور بہت سی دلیلیں ہیں اور اس سے زیادہ کھلی ہوئی کونسی دلیل ہوگی کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال باکمال بے واسطہ دیکھا اور خدمت حضور میں حاضر رہے اور قرآن شریف و دیگر احکام دین حضور کی زبان مبارک سے سنے اور اللہ تعالےٰ کے احکام امر و نہی بلاواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پہنچایے اور اپنے خطاب کا ان کو مخاطب بنایا اور صحابہ نے اپنی جانیں اور اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کیے۔ صحابہ وہ مومن ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو اور دنیا سے باایمان گیا ہو خواہ ایک ہی نظر دیکھا ہو۔ بعض علماء یہ شرط بڑھاتے ہیں کہ بہت مدت تک آپ کی صحبت میں رہا ہو اور جہاد و غزوون میں آپ کے ساتھ شریک رہا ہو کم سے کم اس مدت کی حاضری چھ ماہ مقرر کئے ہیں اور جس نے ایک نظر دیکھا ہو یا ایک ساعت آپ کے پاس بیٹھا ہو وہ اُسے صحابی نہیں کہتے بعض علماء کہتے ہیں کہ صحابی تو سب ہیں لیکن خیریت اور افضلیت جو بیان ہوئی اسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے نہ عام اور جمہور علماء کے نزدیک جس نے صرف ایک نظر آپ کو دیکھا ہو وہ بھی اس فضیلت میں شامل ہے اور حقیقت میں آپ کے جمال مبارک کا ایک بار دیکھنا اور ایک ساعت حضور کی مجلس شریف میں بیٹھنا اور حضور سے بات سننی ایسی

مفید ہے اور اُس سے وہ مطالب حاصل ہوتے ہیں کہ اوروں کے مدتوں خلوت میں بیٹھنے سے بھی نہیں حاصل ہوتے ایسا ہی قوت القلوب میں مذکور ہے۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہ حدیث کے مشہور علمار میں سے ہیں اصحاب رضی اللہ عنہم کے تمام اُمت سے افضل ہونے میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ ممکن ہے اُمت میں سے کوئی شخص ایسا پیدا ہو کہ صحابہ کے برابر ہو یا اُن سے بہتر دلیل ان کی یہ حدیث ہے مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اٰخِرُہٗ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے جس میں یہ معلوم نہیں ہوتا اول بہتر ہے یا آخر اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے صحابہ میں سے عرض کیا ہم حضور پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے حضور کے ہمراہ جہاد کیا ہے کوئی ہم میں سے بھی بہتر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نَعَمْ یعنی ہاں بہتر ہے وہ قوم کہ تمھارے بعد بعد پیدا ہوگی اور مجھ پر بے دیکھے ایمان لاوے گی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال اس پر ظاہر اور روشن ہے جس نے حضور کو دیکھا لیکن ایمان انھیں کا فاضلتر ہے کہ بے دیکھے آپ پر ایمان لاویں گے اور بعض مفسروں نے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں یہی معنی لکھے ہیں اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں طریقہ سنت پر چلنا ہاتھ میں جلتی چنگاری لینے کے برابر مشکل ہوگا جو کوئی اُس وقت سنت پر چلے گا اس کا اجر پچاس آدمیوں کے برابر ہوگا کسی نے عرض کیا حضور پچاس اُن میں سے یا ہم میں سے فرمایا تم میں سے اور اسی کے مانند ایک اور حدیث میں ہے مگر تحقیق و مختار وہی ہے جو جمہور علمار کا مذہب ہے اور یہ خیریت جو پچھلوں کے واسطے ثابت کی ہے ایک خاص وجہ یعنی غیب پر ایمان لانے کے سبب سے ہے اور فضل کل صحابہ ہی کے واسطے ہے اور فضل جزئی فضل کلی سے مخالفت نہیں رکھتا۔ ابن عبد البر کا اختلاف اس وقت ہے کہ صحابی کے معنی عام لئے جاویں اور کہیں کہ صحابی وہ ہے جس نے حضور کو ایک نظر دیکھا ہو اور جب صحابی بمعنی خاص ہو یعنی جن کو شرف صحبت اور ہمنشینی

دائمی حاصل ہوئی ہو اُس وقت ابن عبدالبر بھی جمہور کے موافق ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک پر نظر کرنے کے برابر کوئی فضیلت نہیں ہے اگرچہ اولیاء اللہ کو صحبت معنوی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہے مگر صحابی کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ اَفْضَلُ الْاَصْحَابِ اور چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ جانشین آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تمام صحابہ سے افضل ہیں اسلام میں ان کے فضائل اور مناقب اور نیکیاں اسقدر ہیں کہ تمام اصحاب میں سے کسی کے پاس وہ خوبیاں نہیں ہیں جیساکہ احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔

وَفَضْلُهُمْ عَلٰى تَرْتِيْبِ الْخِلَافَةِ وَالْمُرَادُ بِالْاَفْضَلِيَّةِ اَكْثَرِيَّةُ الثَّوَابِ اور بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے اور اس بزرگی سے ثواب کی زیادتی مراد ہے یہاں دو مقام ہیں اوّل مقام یہ ہے کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیق خلیفہ برحق ہیں ان کے بعد عمر فاروق ان کے بعد عثمان ذوالنورین ان کے بعد علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اور یہ مسئلہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یقینیات میں سے ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرنے کا طریق یہ ہے کہ بعض کے نزدیک وہ نص صریح اور حدیث صحیح سے ثابت ہے اور جمہور علماء سنت و جماعت کے نزدیک اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یعنی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا اور ان کی اطاعت اور تابعداری قبول کی اور دنیا و آخرت کے سبب کاموں میں ان کے احکام کی موافقت و متابعت اختیار کی اور اُسی پر چلے اور انہیں میں تھے ابوذر و عمار و سلمان و صہیب اور انہیں جیسے اور صحابہ کہ دین کے رستہ سے ذرا سی بھی میل اور مداہنت کو ان کے حال میں بالکل دخل نہ تھا اور ان کی شان میں یہ آیہ وارد ہے لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ملامت کرنے والے کی ملامت سے وہ نہیں ڈرتے۔

اور اگرچہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب اور حضرت عباس بن عبد المطلب اور صحابہ نے جیسے طلحہ و زبیر و مقداد بن اسود کہ بڑے صحابیوں میں سے تھے رضی اللہ عنہم تمام اصحاب کے بیعت کرنے کے وقت بیعت نہیں کی تھی لیکن دوسرے وقت ان سب نے بھی بیعت کی اور آپ کی اطاعت قبول کی اور ہمیشہ آپ کی موافقت میں رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور تمام صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ پڑھا اور کہا یہ علی بن ابی طالب موجود ہیں میں ان کو اپنی بیعت کی تکلیف نہیں دیتا ان کو اپنا اختیار ہے اور تم کو بھی اپنا اپنا اختیار ہے اگر کسی کو مجھ سے اولیٰ سمجھتے ہو اور اس میں مصلحت دیکھتے ہو تو سب سے پہلے میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں اس وقت علی مرتضیٰ اور جو لوگ آپ کے ساتھ تھے رضی اللہ عنہم سب نے کہا کہ ہم آپ کے سوا اور کسی کو اولیٰ اور بہتر نہیں جانتے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو دین کے کام میں پیشوا کیا اور اپنی حیات کے آخر دن میں نمازمیں آپ کو امام بنایا اور باوجودیکہ ہم اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ارباب مشاورت و اجتہاد تھے آپ نے کسی سے نہ پوچھا۔ اس سبب سے ہم جانتے ہیں کہ آپ لائق اور حقدار امامت ہیں۔ پس حضرت علی مرتضیٰ اور آپ کے ہمراہ جو اصحاب تھے رضی اللہ عنہم سب نے علانیہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اجماع منعقد ہو گیا اور ان صاحبوں نے بیعت کرنے میں اس واسطے تاخیر کی کہ یہ امر عظیم تھا اور ان حضرات کا بیعت کرنے میں تاخیر کرنا بسبب تامل اور اجتہاد کے انعقاد اجماع کے مخالف نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کا بیعت میں تاخیر کرنا اور بیعت کے وقت موجود نہ ہونا اس واسطے تھا کہ آپ تجہیز و تکفین آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں مشغول تھے اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جدائی کے غم میں خلوت اختیار کر لی تھی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے تھے اور ان کاموں میں چھ ماہ کا عرصہ منقضی ہو گیا یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ بعد وفات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

اور صحیح یہ ہے کہ اسقدر مدت دراز نہ تھی بلکہ اُسی دن شام کو یا دوسرے دن آپ نے بیعت کی اور ہمیشہ مطیع و فرمانبردار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رہے اور فرض نمازوں و جمعوں و عیدوں مں ان کا اقتدار کرتے رہے اور غزوہ بنی حنیفہ میں کہ مسیلمہ کذاب اس میں قتل ہوا آپ صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور غزوہ کی غنیمت میں سے آپ نے ایک لونڈی لی تھی کہ اُس سے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اگر وہ اس غزوہ میں امام برحق کے ہمراہ نہ ہوتے تو اس کی غنیمت میں تصرف جائز نہ ہوتا اور کوئی عاقل نہیں کہے گا کہ علی مرتضیٰ شیر خدا اولیاء اللہ کے امام اور حق کے دائرہ کے مرکز ہو کر باوجودیکہ ان کے ساتھ قرآن تھا اور وہ قرآن کے ساتھ تھے۔ جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے اَلْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ یعنی قرآن علی رض کے ساتھ ہے اور علی رض قرآن کے ساتھ ہیں ایک مدت دراز تک نماز اور سب عبادات بدنی و مالی میں ایسے شخص کی تابعداری کریں کہ اس کی جانب حق نہ ہو بلکہ جانتے ہوں کہ حق اپنی جانب ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی شان میں حکم قطعی اپنی خلافت کا سن چکے ہوں اور پھر حق طلب نہ کریں اور مہر سکوت اپنے منہ پر لگا کر تمام عمر اپنے آپ کو اہل باطل اور اصحاب ہوا کی قید میں رکھیں آخر حضرت معاویہ سے کہ اُنھوں نے آپ کے ساتھ ناحق جھگڑا کیا اور خلافت چاہی۔ کیوں لڑے اور کس لیے حجت کی اور حضرت کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا قسم اس پروردگار کی جس نے نفس انسان کو پیدا کیا اور دانہ کو اُگایا کہ اگر پیغمبر خدا نے مجھ سے عہد کیا ہوتا یا مجھ کو حکم فرمایا ہوتا تو ابی قحافہ کے فرزند کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے زیریں پایہ پر بھی قدم نہ رکھنے دیتا لیکن جبکہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے موجود ہوتے اور میرے مرتبہ کے واقف ہوتے کے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مع تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان کے پیچھے نماز پڑھی اس وقت مجھ کو کچھ بھی نزاع کی مجال نہ ہوئی۔ جب آپ نے دین کے کام میں ان کو اختیار کیا اولی اور بہتر

ہے کہ ہم دنیا کے کاموں میں بھی انھیں کو اختیار کریں۔

شیعہ کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ نے یہ سب کام تقیہ سے کئے تھے کہ ان کو دشمنوں کا خوف اور اپنی جان کا ڈر تھا۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جاوے تو تقیہ سراسر عیب اور نقصان ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ نے حق کو چھوڑ دیا اور سکوت اختیار کیا۔ دشمنوں سے ڈر گئے کہ ان کو ہلاک کر دیں گے باوجود اس کمال اور یقین کے (کہ آپ نے فرمایا لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِينًا اگر اس پردہ کھل جاوے تو جو میرا یقین پہلے سے ہے بدستور رہے کم و بیش نہ ہو اور باوجود آپ کے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن لینے کہ میرے بعد تو ہی میرا خلیفہ ہے اس بشارت کے یہی معنی ہیں کہ میرے بعد دین کے احکام جاری کرنے کا تو ہی متکفل ہوگا اور اس کام کو تو ہی کرے گا) پھر آپ آدمیوں سے ڈرتے اور خیال کرتے کہ اگر خلافت کی طلب کرونگا تو قتل کر دیا جاؤں گا (ہرگز یہ بات نہیں محض افترا ہے)

دوسرے یہ تقیہ ایسی جگہ ہوتا ہے کہ صاحب حق ضعیف و مغلوب و عاجز ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ حضرت امیرالمومنین مرتضیٰ ایسے شجاع و قوی اور خدا تعالیٰ پر پورا توکل کرنے والے اور حضرت خاتون جنت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ایسی عظمت و بلند مرتبہ والی آپ کی زوجہ اور حضرت امام حسن امام حسین علیہما السلام حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تمام خلقت کے محبوب آپ کے فرزند اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ایسے عالی درجہ والے موجود اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر پھوپی زاد شجاع وقت موجود اور تمام بنی ہاشم ہمراہ تھے جو شوکت و شجاعت میں مشہور تھے پھر ضعف اور بزدلی کا دخل وہاں کس طرح ہو سکتا تھا۔

روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے توقف کی مدت میں امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ آپ ہاتھ نکال لیجئے کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں اور

اہل علم جان لیں کہ حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا نے حضور کے چچازاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے تاکہ پھر کسی کو مخالفت کی مجال نہ رہے اور ابی سفیان اموی نے کہا کہ اے عبد مناف کی اولاد تم کو کیا ہو گیا جو تم راضی ہو گئے کہ قریش میں سے کم درجہ کے گھرانہ والا پروالی ہو جاوے یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ قبیلہ بنی تمیم میں سے تھے جو قریش میں زور آور نہیں تھے اور ابی سفیان نے کہا کہ اگر تم خلافت کا دعویٰ کرو تو میں اسقدر سوار و پیادے اکٹھے کر سکتا ہوں کہ تمام جنگل بھر جاوے اور ان کا بھیجا نکال ڈالوں حضرت امیر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو منع کیا اور جھڑکا کہ یہ تو اہل اسلام کے ساتھ دشمنی ہے اور فتنہ و فساد کا سبب ہے۔ اب ناظرین یہاں کب تقیہ کی گنجائش ہے۔ ان شیعہ گروہ نے پیغمبروں پر تقیہ کو جائز بلکہ واجب قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خوف کے مقام پر تقیہ کرنا اور کفر کا اظہار کر دینا جائز ہے یہاں تک کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل میں علی مرتضیٰ کو نماز کا امام مقرر کیا تھا لیکن خوف و تقیہ نے اس کے اظہار کو منع کیا جبکہ اس قسم کے بے جا احتمال خاص حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں روا رکھتے ہوں پھر اور کسی کی کیا حقیقت ہے۔

اقبحہم اللہ ما اجہلہم و افسد اعتقادھم (خدا ان کو خراب کرے کس قدر جاہل ہیں اور کیا بیجا عقیدہ رکھتے ہیں) اگر انبیاء علیہم السلام حق کو چھپاویں تو پھر حق کس جگہ ظاہر ہو اور اس کو کون ظاہر کرے۔ نوح علیہ السلام کی قوم سے زیادہ نافرمان اور متکبر اور نمرود و فرعون سے زیادہ کون ظالم و متمرد ہو گا حضرت نوح و ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام نے حق کا اظہار کیا پھر تقیہ کا احتمال کہاں رہا۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا اور جس چیز پر سارے صحابہ و علماء و مجتہدین اس امت مرحومہ کے اجماع کریں وہ یقیناً حق اور ثابت ہے اس واسطے کہ اگر الگ الگ اجتہاد کریں تو اس میں خطا کا احتمال ہو کہ اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ آیا ہے لیکن

سب کے اجماع اور اتفاق میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ضرور حق و ثواب پر ہوتا ہے۔ اور اسمیں احتمال خطا کا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ یعنی اے امت محمدیہ تم کو معتدل اُمت اس واسطے بنایا ہے تاکہ تم اوروں پر گواہی دینے والے ہو اور فرمایا وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ الآیہ یعنی جو کوئی مخالفت کرے رسول کی اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے ہم اس کو حوالہ کریں وہی طرف جو اس نے پکڑی ہے اور ڈالیں اُس کو دوزخ میں اور بری جگہ پہنچا اور فرمایا حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لَنْ یَجْتَمِعَ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ میری امت گمراہی پر ہر گز جمع نہیں ہوگی۔ بس جس چیز پر سب نے اجماع کیا وہ حق ہے اور اگر روا رکھا جاوے کہ تمام یا اکثر صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے میں عمداً خطا کی اور ظلم کیا اور حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی اور جان بوجھ کر حق کو چھپایا تو اس کلام کا فساد تمام دین اور ملت میں پہنچے گا اور سرایت کر جاوے گا۔ شرع شریف کی مضبوطی بالکل جاتی رہے گی کیونکہ تمام احکام شریعت کے اور خود قرآن شریف تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انھیں اصحاب رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے ہم کو پہنچے ہیں اور جب تمھارے گمان کے موجب یہ ظالم اور فاسق اور حق بات کے چھپانے والے تھے تو اس سے بڑھ کر اور کونسی قباحت اور خرابی ہے۔

نعوذ باللہ من الجہالۃ والغباوۃ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصانیف میں کیا اچھی بات کہی ہے کہ قرآن مجید کی اس آیہ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (یعنی چیونٹے نے اپنے گروہ کو کہا نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں) سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا چیونٹا رافضی سے زیادہ عقل رکھتا تھا اس لیئے کہ اس نے اور چیونٹوں سے کہا کہ اپنے گھروں میں گھس جاؤ کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر ناوانستہ تم کو پامال نہ کر ڈالے۔ پس چیونٹے نے تجویز نہ کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکری جو پیغمبر کے اصحاب اور ان کی

خدمت میں رہنے والے ہیں۔ جان بوجھ کر چیونٹوں کو پامال کریں گے اور یہ ظلم اُن پر روا رکھیں گے۔ چنانچہ اس لئے لَا یَشْعُرُوْنَ کا لفظ کہا۔ اور رافضی کہتے ہیں کہ حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق جانکر دیدہ ودانستہ برباد کیا اور آپ کی اہلبیت پر ظلم کیا اور اتنا نہ سمجھے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا ظلم پر اتفاق نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ کہ دین کے سب احکام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں تھے احادیث رسول اللہ سب ان کے ہی سپرد تھی پس ان سب کے اجماع کے برابر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے اور حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے دین اور دنیا کے سب احکام میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کی یہی بڑی دلیل حقانیت خلافت ابوبکر صدیق کی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے باوجود اس فضل وکمال اور ہادی اور حقانی ہونے کے حضرت ممدوح کی متابعت کی اور حضرت سے بیعت کی۔

نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ پہلے تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت میں نہایت انتظام رہا اور کسی طرح کی مخالفت نہ ہونے پائی اور آپ کی خلافت کے زمانہ میں اسقدر ہرج مرج اور اختلاف واقع ہوا حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کے عہد میں ہم ان کے مددگار تھے اور ہمارے تم مددگار ہو اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ فی الواقع عقل سلیم مجبول ہے اس پر کہ اجماع اور اتفاق اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین لاوے اور صحابہ کو راہ راست کا چلنے والا اعتقاد کرے نہ یہ کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر زمانہ کے پیغمبر اور کل آدمیوں کے اور تمام جنات کے ہادی اور جملہ خلائق کے رسول ہیں ان کی امت میں فقط چند صحابی ہدایت اور حق پر ہوں اور سیدھا راستہ ان کو ملا ہو اور باقی ان کے تمام اصحاب اور یار کہ ساری عمر ان کی صحبت میں رہے ہوں اور آن سے فضائل وکمالات حاصل کئے ہوں سب کے سب باطل وظلم وگمراہی پر ہوں اور آپ کے بعد ایسے کام میں خطا کریں اور

گمراہی وظلم کا راستہ چلیں کہ جس پر دین کے احکام کا مدار ہو پس اگر ایسا ہے تو اس کا نقصان دین کے سب کاموں میں سرایت کرتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس سے یقیناً معلوم ہو گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح و درست ہے اور ایک فرقہ زیدیہ ہے کہ شیعوں کے سب فرقوں میں اعدل گنا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقرر کرنے میں مصلحت تھی اس واسطے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار سے ابھی دشمنوں کا خون نہیں سوکھا تھا اور ان کی عداوت دلوں میں جاگزیں تھی اگر ان کو خلیفہ کرتے دین میں ہرج ومرج واقع ہوتا اور اسلام کے کاموں کا سرانجام اچھی طرح سے نہ ہوتا پس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے سب شعلے فساد کے دب گئے بنیاد اس مذہب کی علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر ہے اور اس بات پر کہ افضل واکمل کا خلیفہ کرنا واجب ہے۔ علماء سنت جماعت کو ان دونوں باتوں میں کلام ہے کہتے ہیں یہ امر واجب نہیں کہ خلیفہ اپنے زمانہ میں افضل واکمل ہو بلکہ ضرور ہے کہ قریش میں سے ہو اور حلال وحرام کا عالم ہو اور دین اسلام کی مصلحتوں سے اور سب اُمور سے واقف ہو اور پرہیزگاری وعدالت وشہامت و کفایت امامت کے لائق اور خلافت کے مستحق ہونے کو کافی ہیں اور یہ سب صفتیں ابوبکر صدیق میں موجود تھیں چنانچہ روایت آثار اور عادات وفضائل حضرت ابوبکر صدیق میں موجود تھیں چنانچہ روایت آثار اور عادات وفضائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کا مصداق ان صفات کا ہونا یقیناً ثابت ہے۔

بعض علماء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نص سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خلافت پر تنصیص کی ہے لیکن اہل تحقیق کا یہ مذہب ہے کہ ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہما دونوں میں سے کسی کی خلافت کے لئے نص قطعی وارد نہیں ہوئی ہے اگرچہ سنّی اور شیعہ دونوں فریق اپنے اپنے مذہب کے موافق نصوص لائے ہیں اور اپنے اپنے

مخالفین کی نصوص کے انھوں نے جواب دیئے ہیں کس لئے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص موجود ہوتی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع نہ ہوتا اور وہ اس نص کے بیان کرنے سے اور حق کے ظاہر کرنے سے کیوں سکوت کرتے اور خلافت کی طلب کیوں ترک کرتے اور جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہوتی تو مہاجرین اور انصار میں کیوں گفتگو ہوتی کہ مِنَّا اَمِیْرٌ وَّ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ (یعنی انصار نے کہا ہم میں سے ایک امیر اور تم میں سے ایک امیر) اور اس وقت رد و بدل کی کیا حاجت تھی جیسا کہ نصب خلافت کے قصے میں کتابوں میں مذکور ہے اور اگر کہیں شاید یہ گفتگو حجت کے تحقیق کرنے اور نص کے دریافت کرنے میں ہو جو بعض اصحاب پر پوشیدہ ہو سب اس کو نہ جانتے ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ کہا کہ تم مختار ہو جس کے ہاتھ پر کہو سب بیعت کریں پس جو امر نص سے واجب ہو اس میں ایسی تواضع اور تخیر کی کیا گنجائش تھی چنانچہ نقل کیا گیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق کا اور حضرت ابوعبید ابن جراح کا (جن کو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امین امت فرمایا ہے) ہاتھ پکڑا اور انصار سے کہا کہ امامت قریش کا حق ہے اور سوائے قریش کے اور کسی کو امامت کا دعویٰ نہیں پہنچتا پس تم ان دونوں میں سے جسے چاہو قبول کرو پس اگر اس بات پر نص ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے حق یہی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد و اجماع سے مقرر ہوئی ہے اور اجماع کے لئے سند چاہیئے۔ نص ظنی غیر قطعی اجماع کرنے کے لئے سند کافی ہے علم اصول فقہ میں اسی طرح ہے۔ دونوں طرف دلیلیں اور گفتگو بڑی کتابوں میں مذکور ہیں اور اس رسالہ کی وضع سے خارج ہیں اسی واسطے ان کو یہاں ترک کیا گیا دیگر کتابوں پر موقوف رکھا۔ واللہ الموفق۔

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اجماع سے ثابت ہوئی اور ان کے حکم کی اطاعت سب مسلمانوں پر واجب ہوئی اور انھوں نے اپنی رحلت کے وقت حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دی اور ان کو خلیفہ بنا دیا اور عہد نامہ ان کے نام لکھدیا اور اس میں سب کو ان کی اطاعت کا حکم اور متابعت کا امر فرمایا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی اور کہا بَایَعْنَا بِمَنْ فِیْہِ وَ اِنْ کَانَ عُمَر (یعنی ہم نے بیعت کی اس شخص کے ہاتھ پر جس کا اس میں نام ہے اگرچہ اس میں عمر ہی کا نام لکھا ہو) پس خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی اجماع سے ثابت ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کو ان چھ صحابہ میں مشترک کیا عثمان و علی و عبدالرحمٰن بن یوسف و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور ان سب نے اپنی رائے کو عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے پر منحصر کر دیا اور کہدیا کہ ہم سب میں سے جسے یہ کہہ دیں وہی خلیفہ ہے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند کر لیا پس حضرت علی مرتضیٰ اور کامل صحابہ نے (رضی اللہ عنہم) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے حکم کے مطیع ہوئے اور دین و دنیا کے کاموں میں اپنا امیر و حاکم جانتے رہے۔

پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع سے ثابت ہوئی ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے سب صحابہ سے افضل و اکمل تھے باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم خلیفہ برحق و امام مطلق مقرر ہوئے اور ان کے زمانہ میں جھگڑا و مخالفت جو مخالفین سے ظہور میں آیا وہ خلافت کے استحقاق و امامت میں نہ تھا بلکہ اُس لڑائی و بغاوت کا منشاء اجتہاد میں خطا تھی کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قاتلوں کی سزا میں جلدی چاہی تھی۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ ان خلفاء کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے یعنی سب اصحاب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان کے بعد عمر فاروق ہیں رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد عثمان ذی النورین ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد علی مرتضیٰ ہیں۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ اور افضلیت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب کی زیادتی مراد ہے۔ علماء نے اس مسئلہ میں یوں لکھا ہے کہ جب ہم کہیں

فلاں اپنے غیر سے افضل ہے تو اس سے اس فلاں کی زیادتی و رجحان اپنے غیر پر لازم آتا ہے یہ زیادتی تمام صفتوں میں جدا جدا ہو یعنی ہر صفت میں یہ افضل اپنے غیر سے زائد و کامل ہو یا یہ صورت ہے کہ مجموعہ صفات میں افضل ہو یعنی اس افضل کی صفتوں کا مجموعہ غیر کی صفتوں کے مجموعہ سے زیادہ ہو اس صورت میں ممکن ہے کہ غیر میں کوئی خاص صفت ایسی ہو جو افضل میں نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ رجحان و زیادتی کسی خاص صفت یا وجہ کے سبب سے ہو۔ اس مسئلہ میں بھی وجہ خاص اختلاف کا باعث ہے کس لئے کہ عرف عام میں علم کی زیادتی اور نسب کی بزرگی اور ملکات نفسانیہ کی قوت جیسے شجاعت سخاوت شہامت وغیرہ کو فضیلت کہتے ہیں اور ثواب عنداللہ ان صفتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ثواب کی کثرت کے اسباب وہ فضائل ہیں کہ ان کے منافع اور نتیجے دین اسلام کو پہنچیں اور مفید ہوں جیسے ایمان لانے میں سبقت اور دین کی نصرت اور اسلام کی تقویت اور مسلمانوں کی امداد اور نیکیوں کی کثرت اور خلقت و ہدایت کرنی اور کفار سے دور رہنا اور ان پر سختی کرنی وغیرہا اور یہ صفتیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات میں بہت تھیں۔ کتب سیر سے معلوم ہوا ہے کہ آپ جب سے ایمان لائے ہیں اسلام کی دعوت اور دین کی نصرت ہمیشہ آپ کا کام رہا ہے۔ عثمان و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص و عبدالرحمٰن بن عوف و عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالےٰ عنہم کہ بڑے صحابیوں میں سے ہیں اور مہاجرین کے سردار ہیں آپ ہی کے ہاتھ پر ایمان لائے ہیں اور آپ ہمیشہ دین کی ترقی اور کفار کے جھگڑے دور کرنے میں مصروف رہے ہیں حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات شریف میں بھی اور حضور کی وفات کے بعد بھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کی ابتدا میں کہ کسی کو اس وقت شعائر دین کے برملا ظاہر کرنے کی مجال نہ تھی اپنے دروازہ پر مسجد بنائی تھی اور اس میں آپ نماز و قرآن پڑھا کرتے تھے اور لڑکے جوان اور عورتیں قریش کی وہاں اکٹھی ہوتی تھیں اور قرآن سنتی تھیں۔

جب یہ مطلب لکھا گیا تو اب اس کے متعلق تقریر شروع کرتے ہیں اور اس باب میں

جو علماء کے اقوال آئے ہیں ان کو نقل کرتے ہیں جمہور اہل سنت جماعت کا مذہب تو اسی ترتیب کے موافق ہے جو بیان کی گئی اور امام مالک اور بعض متقدمین اہل سنت سے عثمان اور علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما میں توقف روایت کیا گیا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ تمام امت میں افضل کون ہے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہا ابوبکر پھر عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما پھر کہا گیا کہ علی و عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی بابت کیا کہتے ہو کہا میں نے دین کے پیشواؤں سے بہت پوچھا ایسا کوئی نہ ملا کہ ایک کو دوسرے پر تفضیل دیتا ہو اور امام الحرمین کا مذہب بھی ان دونوں کے باب میں توقف ہے اور ابوبکر بن حزیمہ سے عثمان ذی النورین پر علی مرتضیٰ کی تفضیل نقل کی گئی ہے اور جواہر الاصول میں لکھا ہے کہ اہل کوفہ سے بھی علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تفضیل عثمان رضی اللہ عنہ پر منقول ہے اور ابن حزیمہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور شیخ بن عمر بن صلاح کے مقدمہ میں بھی مذکور ہے کہ اہل کوفہ کا مذہب علی کی تقدیم عثمان پر ہے رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں اور علماء حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن حزیمہ نے تقدیم علی کو عثمان پر بیان کی ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور امام محی الدین نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہل سنت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم کے حضرت علی پر قائل نہیں ہیں مگر صحیح اور مشہور یہی قول ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مقدم ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ پر۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ سب اصحاب سے افضل مطلق ابوبکر ہیں ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہما باجماع اہل سنت۔ اور خطابی نے لکھا ہے کہ علماء اہل سنت میں سے کوفہ کے باشندے ہیں علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ پر نقل کی ہے اور ابوبکر بن حزیمہ بھی اسی طرف مائل ہے اور قسطلانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ پر کی ہے سفیان ثوری بھی انھیں میں سے ہیں اور بعض نے کہا کہ آخر عمر میں سفیان نے اس سے رجوع کیا ہے۔ واللہ اعلم اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں کہا ہے کہ ابو ثور نے شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی

ہے کہ کسی نے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تفضیل و تقدیم میں اختلاف نہیں کیا ہے سب کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ پر تفضیل و تقدیم یکساں ہے اختلاف ہے تو عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل و تقدیم میں ہے۔ حاصل یہ کہ اہل سنت کے مشائخ اس پر ہیں کہ تمام صحابہ پر ابوبکر و عمر کو تقدیم ہے رضی اللہ عنہم اور ان میں یہی ترتیب ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے لیکن بعض فقہار و محدثین نے چنانچہ قصیدہ امالیہ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ چاروں خلفار کی بزرگی پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بعد ہے اور ابن عبدالبر نے کہ حدیث کے مشہور علمار میں سے ہیں استیعاب میں بیان کیا کہ پہلوں نے اختلاف کیا ہے ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں اور سلمان و ابوذر و مقداد و خباب وجابر و ابوسعید خدری و زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سب سے اوّل ایمان لائے ہیں لیکن ابوطالب کے خوف سے انھوں نے چھپایا اور کہا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ رضی اللہ عنہم پر تفضیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا یہ کلام مقبول اور معتبر نہیں ہے اس واسطے کہ روایت شاذ مخالف قول جمہور کے معتبر نہیں ہوئی جمہور اماموں نے اس باب میں اجماع نقل کیا ہے (جیساکہ گذرا) اور اسی طرح علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں اور روایتیں بھی آئی ہیں جیساکہ خطابی نے بعض مشائخ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ اَبُوبَکرٍ خَیْرٌ مِنْ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ اَفْضَلُ مِنْ اَبُوبَکرٍ یعنی ابوبکر بہتر ہیں علی سے اور علی افضل ہیں ابوبکر سے (رضی اللہ عنہما) اور امام تاج الدین سبکی نے کہ شافعیہ کے بڑے علمار میں سے ہیں طبقات کبریٰ میں بعض متاخرین سے نقل کیا ہے کہ وہ حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو تفضیل دیتے ہیں اس لیے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹکڑے کے ٹکڑے ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی نے کتاب خصائص میں امام علم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی ابراہیم چاروں خلفار سے بالاتفاق افضل ہیں اور مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے مَا اُفَضِّلُ

عَلٰی بَضۡعَۃٍ مِنَ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احدٌ (میں فضیلت نہیں دیتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹکڑے پر کسی کو) یہ سب روایتیں بھی اصل مقصود کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتیں اور ہمارے مدّعا کے منافی نہیں ہیں جیسا کہ اوپر لکھ چکے کہ یہ ایک خاص وجہ کی افضلیت ہے اور وہ افضلیت اور وجہ سے ہے اور یہ اس کے مخالف نہیں ہے اور یہ فضائل ذات جو نقل کئے گئے ہیں کثرت ثواب اور اہل اسلام کا نفع ان سے نہیں ہے بلکہ شرف نسب اور جوہر ذات ہے اور بیشک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد آپ کی ذات مبارک کے ٹکڑے ہیں اور آپ کے جگر پارہ ہیں اور جو شرف و شان ان میں ہے شیخین میں نہیں ہے یہاں کس کو انکار کی مجال ہے۔ لیکن باوجود ان کی اس بزرگی کے شیخین کا ثواب بہت ہے اور نفع ان کا اسلام اور اہل اسلام کو عظیم اور بہت بڑا ہے اور خطابی نے جو اپنے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے ابوبکرٍ خیرٌ مِن علی و علیؓ افضلُ من ابی بکرٍ معلوم نہیں اس سے اس کا مقصود کیا ہے خیریت و افضلیت سے کیا مراد ہے اگر خیریت اور وجہ سے ہے اور افضلیت اور وجہ سے تو دائرہ خلافت سے باہر اور محل نزاع سے الگ ہے اور جو خیریت سے مراد کثرت ثواب اور افضلیت سے مقصود شرف ذات و کرامت نسب وغیرہ ہے تو یہ بات مقصود کے خلاف نہیں ہے اور اگر کچھ اور غرض ہے تو جب تک بیان نہ کرے کیا معلوم حقیقت حال کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اب رہی یہ بات کہ ترتیب افضلیت کا مسئلہ یقینی ہے کہ قطعی دلیل اس پر قائم ہے جس طرح ترتیب خلافت یقینی ہے یا ظنی ہے کہ دلیل اس کی نشان اور قرینے ہیں جس سے اولویت ثابت ہوتی ہو بعض کہتے ہیں کہ قطعی ہے اور اکثر محققوں کے نزدیک مختار یہی ہے کہ ظنی ہے۔ امام الحرمین نے ارشاد میں علی الترتیب خلافت ثابت کرنے کے بعد یہ سوال لکھا ہے کہ بعض علماء صحابہ کو بعض پر تفضیل دیتے ہیں یا اس باب میں اعراض و سکوت کرتے ہیں پھر جواب دیا ہے کہ تفضیل کے مسئلہ کی بنا اس پر ہے کہ امامت مفضول کی باوجود افضل کے جائز نہیں ہے اہل سنت جماعت کے معلف

اس پر ہیں کہ امام کا افضل ہونا بہتر ہے لیکن اگر افضل کے مقرر کرنے میں ہرج ومرج واقع ہوتا ہو یا کوئی فتنہ و فساد برپا ہوتا ہو تو مفضول کو امام بنادیں بشرطیکہ امامت کے لائق ہو اور امامت کی شرائط اس میں پائی جاتی ہوں۔ مثلاً قریشی ہونا حرام حلال سے واقف ہونا۔ دین اسلام کے کاموں کی مصلحتوں کو جاننا۔ عادل پرہیزگار ہونا۔ پھر کہا میرے نزدیک یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے کہ افضل ہی خلیفہ بنادیا جائے۔ اس امامت کبریٰ کے سوای جس میں ہم کلام کررہے ہیں نماز کی امامت میں کہ امامت صغریٰ ہے اخبار آحاد ہی ہیں کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یَؤُمُّکُمْ اَقْرَأُکُمْ یعنی نماز میں وہ امام ہو کہ حاضرین سے قرآن اچھا پڑھتا ہو اور علم فقہ حاضرین سے زیادہ جانتا ہو اس سے حکم قطعی نہیں نکلتا پس صحیح یہ ہے کہ امامت وخلافت میں افضلیت شرط نہیں ہے اور امامت افضلیت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو قاطع ہو اور بعض ائمہ کی تفضیل بعض پر ثابت کرتی ہو کہ عقل تو اس کو دریافت کرہی نہیں سکتی۔ اور احادیث فضائل جو ان حضرات کے اوصاف میں وارد ہیں وہ آپس میں متعارض ہیں اب توقف اور سکوت کے سوا اور کونسا راستہ ہے لیکن ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکر رضی اللہ عنہ سب خلقت میں افضل ہیں ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہ کے باب میں ظن متعارض ہیں۔ پھر کہا امام الحرمین نے کہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سب میں بہتر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر اور عمر ہیں اور ان کے بعد خدا جانتا ہے کہ کون بہتر ہے انتہی۔ یہاں تک امام الحرمین کے کلام کا ترجمہ ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قول ہے کہ جو ہم نے اپنے واسطے اختیار کیا ہے اور ہم تقلید سے علیحدہ ہوکر کھلے حق کی طرف چلے ہیں انتہی۔ اور بعض فقہا و محدثین مدینہ طیبہ کے رہنے والوں نے قصیدہ امالیہ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ شیخ احمد زرق نے کہا کہ ملک مغرب کے بڑے فقیہ اور شیخ اکبر ہیں عقیدہ کی شرح میں کہا ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ تفضیل قطعی ہے یا ظنی۔ اشعری کہتا ہے قطعی

ہے۔ اور باقلانی کہتا ہے ظنی ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ تفضیل ظاہر اور باطن دونوں میں ہے یا نری ظاہر میں اور یہاں دونوں قول ہیں انتہے اور قاضی عضد نے مواقف میں اول علی رضی اللہ عنہ کے وہ سب فضائل بیان کئے ہیں جن سے شیعہ آپ کی افضلیت پر استدلال کرتے ہیں بعد اس کے ان سب کا جواب دیا ہے اور افضلیت کو کثرت ثواب پر حمل کیا ہے جاننا چاہیئے کہ یہ مسئلہ افضلیت کا ایسا ہے کہ جزم اور یقین کی تو اس میں امید ہی نہ رکھنی چاہیئے اور عقل ایسی افضلیت کو کہ اس کے معنی کثرت ثواب ہیں نہیں دریافت کر سکتی پس سوائے نقل کے اس کی سند نہیں ہو سکتی اور یہ مسئلہ عمل کے متعلق بھی نہیں ہے کہ نرا ظن عمل کرنے کو کافی ہو جائے بلکہ علم اور اعتقاد کے متعلق ہے کہ اس میں جزم و یقین درکار ہے اور نصوص جو طرفین سے مذکور ہوئی ہیں وہ آپس میں متعارض ہیں۔ دلالت قطعی اُن سے نہیں نکلتی غایت یہ کہ وہ ثواب کے اسباب کی کثرت پر دلالت کرتی ہیں اور ثواب کے سببوں کی زیادتی ثواب کی کثرت کا باعث قطعاً نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اجر اور ثواب اللہ تعالےٰ کے فضل پر موقوف ہے نہ کسی سبب پر اگر وہ چاہے نافرمانبردار کو زیادہ ثواب دے اور فرمانبردار کو اُس سے تھوڑا دے جیسا کہ اوپر عقائد میں گزر چکا ہے اور امامت اگرچہ دلیل قطعی سے ثابت ہے لیکن اُس سے افضلیت کا قطعی ہونا لازم نہیں آتا مگر ظن غالب کے طور پر کس واسطے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک باوجود فاضل کے مفضول کی امامت جائز ہے۔ لیکن سلف کے کل مشائخ کو ہم نے یہی کہتے پایا کہ سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں ان کے بعد عمر فاروق اُن کے بعد عثمان ذی النورین ان کے بعد علی مرتضےٰ و حسن ہیں رضی اللہ عنہم اور ہمارا ظن بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہم اعتقاد کریں اگر یہ متقدمین اس پر دلیل نہ رکھتے تو ہم کو اس کا حکم نہ کرتے اور اس پر اتفاق نہ کرتے پس اس مسئلے میں ہم ان کا اتباع کرتے ہیں اور اُن کے رستے پر چلتے ہیں اور حقیقت امر کی خدا تعالےٰ کے علم پر سونپتے ہیں اور ردامدی کہ اصول فقہ اور کلام کا بہت بڑا عالم ہے کہتا ہے کہ مراد تفضیل سے یہ ہے کہ ایک شخص میں کوئی صفت اور بزرگی ایسی ہو کہ وہ

اور دن میں ہو جیسے کہ عالم علم کی صفت میں جاہل سے افضل ہے کہ اس میں یہ صفت موجود ہے اور جاہل میں نہیں ہے یا ہو مگر نقصان کے ساتھ اور اس میں کمال کے ساتھ ہو۔ پر اصل فضیلت مشترک ہو جیسے ایک شخص اوروں سے زیادہ علم رکھتا ہو اور علم سب کو ہو مگر اوروں کو اتنا نہ ہو پس جو کمال اس کو حاصل ہے وہ اوروں کو نہیں ہے اگرچہ اصل علم سب میں مشترک ہے پس اس معنی کر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں فضیلت قطعی ثابت نہیں ہو سکتی کہ جو فضیلت ایک میں ہے دوسرا بھی شریک ہے اور جو اس میں شریک نہیں ہے تو اس کے لئے اور فضیلت خاص ہے جس میں یہ شریک نہیں ہے پس یہ فضیلت اس کے مقابلے میں آپڑی اور فضیلتوں کی کثرت پر بھی ترجیح نہیں دے سکتے اس واسطے کہ بعضی ایک فضیلت شرف اور نفاست کی زیادتی کسی سبب سے دوسری سو فضیلتوں پر راجح ہو سکتی ہے جیساکہ ایک جوہر قیمت میں لاکھ درہم سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ بعضی ایک فضیلت والے کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بڑا ثواب ملے کہ اور بہت سے فضائل والوں کو نہ ملے پس افضلیت کے معنی کثرتِ ثواب لیے جاویں تو اس پر بھی قطعی یقین نہیں ہو سکتا یہ مواقف اور اس کی شرح کا ترجمہ ہے اور مولانا سعید الدین تفتازانی نے عقائد نفسی کی شرح میں یوں کہا ہے کہ ہم نے علماء سلف کو اسی پر پایا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر اس کے پاس دلیل نہ ہوتی تو ہم کو حکم نہ کرتے اور ہم نے دلیلیں دونوں طرفوں کی متعارض پائی ہیں اور یہ مسئلہ اعمال کے متعلق بھی نہیں ہے کہ اس میں توقف کرنا کسی واجب کا محل ہو۔ انتہی اور محقق دوانی نے بھی عقائد عضدیہ کی شرح میں ایسا ہی کہا ہے اور ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں کہ شیعوں کا رد نہایت سختی سے کیا ہے اور تشدد و تعصب مذہب کی داد دی ہے یوں کہا ہے کہ شیخ ابوالحسن اشعری اس پر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل سارے صحابی رضی اللہ عنہم پر قطعی ہے اور ابوبکر باقلانی نے کہا ہے کہ ظنی ہے اور ارشاد میں امام الحرمین نے بھی اسے ہی کو اختیار کیا ہے اور صاحب مفہم شرح صحیح مسلم نے بھی ظنیت ہی پر جزم کیا ہے اور استیعاب میں ابن عبدالبر نے عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ معمر نے کہا ہے اگر کوئی کہے عمر ابوبکر سے افضل ہے

رضی اللہ عنہما اسے منع نہ کروں اور نہ اس پر سختی کروں اور جو یوں کہے کہ علی ابوبکر سے افضل ہیں رضی اللہ عنہما اس پر بھی سختی نہ کروں اگر شیخین کی بزرگی کا اقرار کرے اور ان پر محبت رکھے اور ان کی مدح وثنا جس کے یہ لائق ہیں کرے پھر عبدالرزاق نے کہا یہ کلام معمر کا میں نے وکیع سے کہا وہ بھی خوش ہوا اور اس نے آفریں کہی۔ یشیخ ابن حجر کہتا ہے کہ نہ منع کرنا اور سختی نہ کرنی اس سبب سے ہے کہ تفضیل مذکور ظنّی ہے اور قطعی نہیں ہے اور اگر کہیں کہ اس تفضیل کی ظنیت انھیں کے نزدیک ہے جو اجماع کا دعوی نہیں کرتے اور مخالف اجماع کے جو روایات شاذہ نقل کی ہیں اُن پر کان رکھتے ہیں اور اگر اجماع کا دعوی کریں کہ راجح و مختار ہے تو ظنیت کا حکم کیونکر درست ہے کہ اجماع کی سب قسمیں دلیل قطعی نہیں ہیں۔ بلکہ وہی قسم ہے جس میں ذرا سا بھی اختلاف نہ ہو اور جس میں اختلاف ہو اگرچہ شاذونادر ہو وہ قسم قطعیت سے نکل جاتی ہے اور ظنّی ہو جاتی ہے اگرچہ اتنا تھوڑا اختلاف بسبب شاذونادر ہونے کے اجماع کے انعقاد کو مانع نہیں ہو سکتا لیکن بالکل بے تاثیر بھی نہیں ہوتا اور اس کو قطعیت کے درجے سے گرا دیتا ہے پس یہاں اسی قسم کا اجماع ہے اسی لیئے یہ افضلیت ظنی ہے اور اہل اجماع نے بھی اس کو قطعی نہیں کہا جیسا کہ اماموں کے کلام سے اشارتاً سمجھا جاتا ہے پس ظنیت کی صفت اس مسئلہ میں محکوم یہ ہے نہ یہ کہ بعد اجماع کے حکم کو عارض ہوئی ہے اور اس سے فقط یہی مستند ہو سکتا ہے کہ جب خلافت اس ترتیب سے قطعی ثابت ہو چکی تو اس سے ظاہر ہو کہ افضلیت بھی اسی طرح ہو گی لیکن ترتیب خلافت سے افضلیت کی ترتیب کا قطعی اور یقینی ہونا لازم نہیں آتا۔ نہیں دیکھتے ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے احق ہونے پر اہل سنت و جماعت اجماع رکھتے ہیں اور ان کی افضلیت میں اختلاف ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خلافت کی قطعیت سے افضلیت کی قطعیت لازم نہیں آتی اور افضلیت کی ظنیت سے خلافت کی ظنیت بھی لازم نہیں ہوتی۔ اور افضل کی حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالے کے پاس ہے اور اس پر بجز وحی یا خبر کے اطلاع ممکن نہیں ہے اور ان سب کی مدح وثنا میں حدیثیں

وارد ہوئی ہیں اور وہ آپس میں متعارض ہیں پس جن لوگوں نے وحی اترنے کا زمانہ پایا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اور قرینوں اور نشانوں سے دریافت کیا ہے وہ اس حال کے خوب دانا تھے پچھلوں کی نظر صرف دلیل ومفہوم کلام پر پڑتی ہے اور کلام متعارض ہے پس ان کی دلیل بجز پہلوں کی تقلید اور اتباع کے اور ان کے ساتھ حسن ظن کے اور کیا ہے لیکن ان احادیث اور اخبار پر کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل وکمالات میں وارد ہوئی ہیں نظر کرنے سے سوائے توقف کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ترجمہ وحاصل صواعق محرقہ کا ہے اور سوائے اس کے جو مواخق کی شرح سے اوپر نقل کیا ہے وہ بھی تمام صواعق میں مذکور ہے اور یہ بھی صواعق میں ہے کہ اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ اس ترتیب سے افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے لیکن شیعوں پر لازم آتا ہے کہ قطعی ہے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت اور از روئے جزم ویقین کے ان کو معتقد ہونا چاہیے اس واسطے کہ علی مرتضیٰ اور سب اماموں علیہما السلام کی عصمت کے وہ معتقد ہیں اور معصوم کی خبر باتفاق یعنی سب کے نزدیک قطع اور یقین کا فائدہ دیتی ہے اس لیے کہ معصوم پر جھوٹ جائز نہیں ہے اور صحیح روایت سے ثابت ہوا ہے بلکہ تواتر کے درجے کو پہنچا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت وسلطنت کے زمانہ میں علانیہ وبرملا اپنے شیعوں کے روبرو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی مدح وثنا اور ان کی افضلیت کا بیان کرتے رہے۔ ذہبی نے اسی سے زیادہ آدمیوں سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور صحیح بخاری میں آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے خیر الناس بعد النبیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ابوبکر ثم عمر ثم رَجُلٌ اٰخَرُ آپ کے صاحبزادے محمد ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ثُمَّ اَنْتَ فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں مسلمانوں میں سے اور یہ حدیث متعدد رستوں سے صحت کو پہنچی ہے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ ایک گروہ آدمیوں کا مجھ کو اُن پر تفضیل دیتے ہیں یہ لوگ مفتری ہیں مجھ کو وہ معلوم ہو جاویں گے اور

یہ کہنا ان پر ثابت ہو جاوے گا تو میں ان کو افترا کی سزا دوں گا اور مالک نے امام جعفر صادق سے اور انھوں نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ علی مرتضیٰ عمر بن خطاب پر گزرے رضی اللہ عنہم اور عمر رضی اللہ عنہ اس وقت چادر لپیٹے ہوئے پڑے تھے آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ شخص جو چادر لپیٹے ہوئے پڑا ہے اس سے زیادہ اللہ تعالےٰ کا پیارا اور محبوب میں کسی کو نہیں جانتا ہوں اس وقت کہ وہ اپنے نامۂ اعمال سمیت اللہ تعالےٰ سے ملاقات کرے گا اور دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ابو جحیفہ علی رضی اللہ عنہ کو تمام اُمت سے افضل اعتقاد کرتا تھا۔ ایک جماعت سے ملا جو اس کی مخالف تھی اور اُن کی مخالفت سے اُسے سخت رنج ہوا اور علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس کو غمگین دیکھ کر تخلیہ میں لے گئے اور اُس سے فرمایا کہ اے ابا جحیفہ اس رنجش کا کیا سبب ہے اُس نے حال عرض کیا آپ نے فرمایا اے ابا جحیفہ خبر دیتا ہوں تجھ کو اُس اُمت کا کون بہتر ہے۔ اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں اُن کے بعد عمر رضی اللہ عنہما۔ ابو جحیفہ نے کہا کہ میں نے عہد کیا اللہ تعالےٰ سے کہ اس حدیث کو میں نے علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے بالمشافہہ سنی ہے ہرگز نہیں چھپانے کا اور یہ بھی ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ نے کوفہ میں ممبر پر فرمایا کہ بعد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہما اور اسی کی مانند اور حدیثیں اور خبریں بہت ہیں کہ مشہور ہیں بلکہ تواتر کے درجے کو پہونچی ہیں اور شیعہ کہتے ہیں یہ سب اور جو کچھ اسباب ہیں آئمہ اور اہلبیت رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوا ہے صرف تقیہ اور خوف کے سبب تھا یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف انھوں نے صرف دشمنوں اور اپنی جان کے خوف سے کی تھی اگر ایسا نہ کرتے تو وہ رہ نہ سکتے اور سلامتی اُن پر سے اُٹھ جاتی اور ان کے دلوں میں اس کے برخلاف تھا لیکن یہ کلام ان کا عقل سے نہایت دور اور کمال رکیک ہے اس سے لازم آتا ہے کہ علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کہ خدا تعالےٰ کے شیر اور حق کے دائرے کے مرکز تھے ایسے

ذلیل ومغلوب ومقہور ہوئے کہ حق کے اظہار اور باطل کے رد کرنے سے عاجز رہے اور اپنی زندگی ہمیشہ خوف وعجز میں گذاری سوچنے کی جگہ ہے جبکہ اسد اللہ اُن کا لقب ہوا اور لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ان کی صفت ہو اور علی الحق ان والقرآن مع علی ان کی منقبت ہو پھر خوف وعجز اور حق کے چھپانے کا کیا محل ہے شہرت اور تواتر کے درجے کو پہنچا ہوا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ حق ظاہر کرنے اور نصیحت قائم کرنے میں کسی کا خوف اور ڈر نہیں رکھتے تھے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ علی رضی اللہ عنہ پر خلقت جمع نہ ہوئی اور آپ سے متنفر رہی اس کا کیا سبب ہے کہا کہ آپ حق بات کے اظہار کرنے میں کسی کی رو و رعایت نہ کرتے تھے اور کسی سے مداہنت نہ رکھتے تھے شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے کہا کہ وہ زاہد تھے اور زاہد کا دنیاداروں سے ملاپ نہیں ہوتا۔ اور عالم تھے اور عالم کسی کی خوشامد نہیں کرتے اور شجاع اور بہادر تھے اور بہادر کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا اور شریف تھے اور شریف کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی اس سبب سے آپ لوگوں سے دور و متنفر رہے اور آپ سے لوگوں نے نفرت کی اور جمع نہ ہوئے۔ پس ایسے شخص نے کس طرح تقیہ کیا اور شیخین کے زمانے میں فقط ظاہر میں تقیہ ہوتا تو ممکن تھا لیکن خاص اپنی خلافت وشوکت کے زمانے میں اور عین خلوت میں اور خاص اپنے دوستوں اور تابعداروں سے اس قسم کا بیان کرنا کیونکر تقیہ پر محمول ہو سکتا ہے اور امام محمد باقر اور آپ کے آبا اور اولاد رضی اللہ عنہم سے ہر وقت میں اس قسم کے سوالات ہوئے ہیں کہ آپ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے باب میں کیا کہتے ہیں۔ سب نے یہی فرمایا کہ ہم ان کو نہایت دوست رکھتے ہیں اور جب یہ پوچھا گیا کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ کلام تقیہ سے کرتے ہیں اور آپ کے دل میں اس کے خلاف ہے تو انہوں نے جواب میں یہی فرمایا کہ خوف زندوں سے ہوتا ہے نہ مردوں سے اور امام باقر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہشام ابن عبدالملک ابن مروان کو سب بُرا کہتے چلے آئے ہیں اور وہ اپنے وقت کا امیر و بادشاہ تھا اگر ہم تقیہ کرتے تو اس کی تعریف کرتے۔ پس جبکہ امام باقر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہے اور آپ علی رضی اللہ عنہ

کے جگر کے ٹکڑے ہیں تو علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا کیا حال ہوگا کہ قوت و شجاعت اور عدل کی کثرت اور جنگ کی شدت میں کل کے کل ہیں[1] اگر اُن کو خوف و تقیہ ہوتا تو امیر معاویہ اور بنی مروان سے جاہلیت اور اسلام کے زمانے میں باوجود اُن کی اسقدر کثرت کے اور باغیوں اور خارجیوں سے کیوں لڑتے اور ان لڑائیوں میں آپ نے حرب و قتال و اظہار حق و تائید دین کی ایسی داد دی ہے کہ اُس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی اور یہ سب کوشش فقط اسی واسطے تھی کہ دین کا امر اعتدال کے دائرے سے باہر نہ ہونے پاوے۔ جب حق کا تغیر اور دین کے کام میں سستی دیکھی اسی وقت رد و ابطال کو اپنے اوپر واجب سمجھا اور اپنے اپنے بعض شیعہ کو جنہوں نے اس مقدمے میں افراط و تفریط اور غلو کیا تھا نکلوا دیا چنانچہ عبداللہ ابن سبا کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا اور حکم دیا کہ جس شہر میں ہم ہوں وہاں آنے نہ پاوے اور یہ ابن سبا یہودی تھا کہ اس نے آپ کے ہاتھ پر اسلام ظاہر کیا تھا اور حقیقت میں منافق تھا اور افضیوں کا پیشوا اور اس مذہب کا موجد بھی تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بُرا کہتا تھا اور علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہلواتا ہے آپ نے اُس کے بعض کلمات سن لئے تھے اس لیے اُسے یہ سزا جلاوطن ہونے کی دی اور نکلوا دیا اور ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی مدح و ثنا میں آپ نے اتنے خطبے فرمائے ہیں کہ ان پر اطلاع ہونے کے بعد کسی طعن کرنے والے کو دم مارنے کی مجال نہیں رہ سکتی اگر علمائے سنت و جماعت و ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت بلکہ اس کی افضلیت کی قطعیت میں فقط اُسی پر اکتفا کریں تو استدلال کو کافی اور وافی ہوں اور بعضے شیعہ جو انصاف و اعتدال کے رستے سے باہر نہیں گئے ہیں اُس کا یہی سبب ہے کہ عبدالرزاق نے کہ صاحب روایت و عالم حدیث ہے کہا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں اس لیئے کرتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ

---

[1] یعنی یہ سب صفات ان میں جمع ہیں۔

نے اپنے اوپر ان کی تفضیل آپ کی ہے اس سے زیادہ اور کیا بڑا گناہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو ہم دوست رکھیں اور ان کی مخالفت کریں یہ تمام ترجمہ ابن حجر کے کلام کا ہے اگر انصاف کی آنکھ سے دیکھیں تو معلوم ہو جاوے کہ اور کتابوں میں اس تفصیل سے بیان کم ہوا ہے چاہیے کہ اول سے آخر تک دیکھ کر اور سب کو ملا کر غور کریں اور اضطراب اور جلدی نہ کریں واللہ اعلم ومنہ التوفیق۔

فَبَاقِي الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ بعد چاروں خلیفوں کے باقی عشرہ مبشرہ کو بزرگی ہے اور عشرہ مبشرہ ان دس صحابیوں کا نام ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بہشت کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے ابوبکر فی الجنۃ وعمر فی الجنۃ وعثمان فی الجنۃ وعلی فی الجنۃ وطلحۃ فی الجنۃ والزبیر فی الجنۃ وعبد الرحمٰن بن عوف فی الجنۃ وسعد بن ابی وقاص فی الجنۃ وسعید بن زید فی الجنۃ وابو عبیدۃ بن الجراح فی الجنۃ اور یہ دس آدمی تمام امت میں سے بہتر وافضل اور قریش کے سردار ہیں اور مہاجرین کے پیشوا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتے دار ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کی بزرگیاں اور کوششیں دین اسلام میں اسقدر ثابت ہیں کہ اوروں کی نہیں ہیں اور اُن کا بہشتی ہونا قطعی ہے لیکن یہ بشارت کی قطعیت خاص انھیں کے لیئے نہیں ہے کہ بلکہ ان کے سوا اوروں کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے جیسے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور خدیجۃ الکبریٰ وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حمزہ وعباس وسلمان وصہیب وعمار بن یاسر رضی اللہ عنہم ان دس کا لقب جنتی اس سبب سے مشہور ہو گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ان کا بیان فرمایا ہے اور عقائد میں ان کا بیان اس واسطے آیا ہے کہ ان کی شان میں اہتمام زیادہ ہے اور جن لوگوں کے دل میں زنگ ہے اور اُن بزرگوں کی بے ادبی کرتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں ان کی مذمت کا رد بھی مقصود ہے اور عوام جانتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کی بشارت کا قطعی ہونا انھیں

دس کے لیئے مخصوص ہے یہ گمان ان کا محض غلط ہے اور ان کے جہل صریح پر دلالت کرتا ہے اور بعضے طالب علم عربی خواں کہ عوام جاہلوں سے آدھا قدم آگے بڑھ کر رکھتے ہیں کہ اوروں کو بھی بشارت ہے لیکن ان دس کی بشارت قوت اور شہرت میں متواتر ہے اور منشار اس گمان کا حدیثوں کا نہ پڑتا لنا ہے اور اس علم شریف کی خدمت میں تقصیر اس کا باعث ہے تجاوز کرے اللہ اُن سے اور اس بحث کو ہم نے ایک کتاب میں جس کا نام تحقیق الاشارۃ فی نعیم البشارۃ ہے تفصیل و تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے اور جس قدر اہل بشارت کے نام حدیثوں میں آئے ہیں اور اپنی نظر سے گذر رہے ہیں سب ذکر کئے ہیں اور حق یہ ہے کہ چاروں خلیفوں اور فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور ان کی مانند اور اہل فضائل کی بشارت تواتر معنوی کے درجے کو پہنچی ہے اور دس جو باقی رہے ان کی بشارت شہرت کی حد تک پہنچی ہے اور بعضوں کی آحاد کے درجے کو اور جن کے واسطے بشارت نہیں آئی ہے ان کو یوں کہتے ہیں کہ مومن جنتی ہیں اور کافر جہنمی ہیں مگر کسی کو قطعی جنتی نہیں کہہ سکتے اور تمام تحقیق اس کتاب میں مذکور ہے فَاهْلُ بَدْرٍ۔ عشرہ مبشرہ کے بعد اہل بدر کو فضیلت ہے اور بدر کا واقعہ ہجرت کے دوسرے برس ہوا ہے اور دین اسلام کی عزت کے ظاہر ہونے کا یہی سبب ہوا اور اللہ تعالےٰ نے جو اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ اس دن پورا کیا اور عتبہ و شیبہ و ابوجہل وغیرہ سرداران قریش جو دین کے دشمن تھے وہ اس غزوے میں مارے گئے اور جہنم میں پہنچے اللہ ان کو لعنت کرے اور پانچ ہزار فرشتوں نے مومنین کی مدد کی اور اس غزوے میں شریک ہوئے عشرہ مبشرہ بدر کی لڑائی میں موجود تھے سوائے عثمان رضی اللہ عنہ کے وہ بسبب بیماری حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادے کے کہ آپ کے حکم سے مدینہ منورہ میں رہے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اہل بدر میں گنا اور غنیمت میں شریک کیا اور اہل بدر تین سو تیرہ ہیں یہ سب قطعی بہشتی ہیں اور اُن کی شان میں

فرمایا ہے کہ ان اللہ قد هو اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم بیشک اللہ مطلع ہوا بدر والوں پر پس فرمایا اِعْمَلُوا مَا فقد غفر لکم جو عمل چاہو کرو میں نے تم کو بخشا دوسری جگہ فرمایا لن یدخل اللہ النار رجلا شهد بدرا والحدیبیة نہیں داخل ہوگا آگ میں وہ مرد کہ حاضر ہوا بدر میں حدیبیہ میں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ فرشتے کہ غزوہ بدر میں حاضر تھے اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں ایسی عزت و بزرگی رکھتے ہیں کہ اور فرشتوں کو حاصل نہیں ہے فَاَحُدٍ اہل بدر کے احد والوں کی بزرگی ہے یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے برس واقع ہوا ہے اور اس میں اہل اسلام پر آزمائش و شدت پہنچی ہے اور دندان مبارک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی جگہ مجروح ہوا ہے اور یہ خیال نہ کریں کہ آپ کے دندان مبارک جڑ سے نکل آیا تھا بلکہ اُس کا ایک کونہ ٹوٹ گیا تھا اور سید الشہدا، حمزہ رضی اللہ عنہ عبدالمطلب کے بیٹے اور ستر صحابی رضی اللہ عنہم اور شہید ہوے۔ اور عشرہ مبشرہ بھی احد میں داخل تھے اور مشرکوں کا سردار اس غزوے میں ابوسفیان اموی تھا کہ غزوے بدر کے بعد اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن اصحاب رضی اللہ عنہم سے بدلہ نہ لے لوں گا عورت سے صحبت نہیں کرنے کا اور بدن پر تیل نہیں ملنے کا جس سال مکہ معظمہ فتح ہوا یہ ابوسفیان اور معاویہ ابوسفیان کا بیٹا ایمان لائے ہیں فَاَهْلُ بَیْعَتِ الرضوان اہل احد کے بعد بیعت رضوان والوں کو بزرگی ہے بیعت رضوان اس بیعت کا نام کہ مسلمانوں نے حدیبیہ کی صلح سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر کی تھی جس کا قرآن مجید میں بیان ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

بیشک اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جبکہ اے محمدؐ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور حدیث شریف میں آیا ہے لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحدٌ بایع تحت الشجرة نہیں داخل ہوگا آگ میں جس نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ یہ بھی سب بہشتی ہیں اور یہ ترتیب جو بیان ہوئی ہے اس کی افضلیت مجمع علیہ ہے کہ

ابو منصور تمیمی نے نقل کیا ہے اور ان سب کے بعد جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر علماء نے اس باب میں تصریح نہیں کی۔ واللہ اعلم۔

اور اصحاب رضی اللہ عنہم کے بعد بزرگی اور کرامت اس مومن کو ہے جس کو علم اور پرہیزگاری زیادہ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ ڈرنے والا ہو۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولاد کو بھی بعض کو بعض پر علی الترتیب بزرگی ہے لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی اولاد کو سب پر بزرگی ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

وَفَاطِمَةُ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

ہم نے اس مسئلہ کو اس لئے عقائد میں علٰحدہ ذکر کیا ہے کہ ان تینوں کے حق میں یہ بشارت قطعی ہے اور عوام بشارت کو عشرہ مبشرہ کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور روافض صرف اہل بیت نبوی ہی کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کل ایمان والی عورتوں پر فضیلت ہے کہ جن پر عنوان کلمہ اہل جنت کا آیا ہے یہاں تک کہ مریم عمران کی بیٹی اور عائشہ صدیقہ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر بھی اور ایسا ہی ذکر کیا ہے سیوطی نے اور بعض حدیثوں میں زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی تفضیل مطلق واقع ہوئی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے اور بعض حدیثوں میں مریم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو استثنا کیا ہے اُن عورتوں میں سے جن پر زہرا رضی اللہ عنہا کو تفضیل دی ہے پس اس میں احتمال ہے کہ مریم کا رتبہ زہرا کے برابر ہو یا اُن سے زیادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ سب عورتوں میں افضل فاطمہ ہیں اور خدیجہ اور عائشہ اور مریم اور آسیہ رضی اللہ عنہن ظاہر اس حدیث کا ان سب کی مساوات پر دلالت کرتا ہے یا توقف پر۔ ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ فاطمہ اس امت میں ایسی ہے جیسے مریم اپنے

قوم میں رضی اللہ عنہا یعنی اپنے غیر سے زیادہ بزرگ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان خبروں کے اختلاف کا سبب زہرا رضی اللہ عنہا کے مرتبے اور درجوں کی اطلاع ہو جیسا اللہ کریم حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کرتا رہا اور خبر دیتا رہا ویسا ہی آپ فرماتے رہے اور سب سے آخر وہ خبر دی جس سے عموماً تمام جہان کی عورتوں پر ان کی بزرگی ثابت ہے واللہ عالم۔

اور بعض علماء عائشہ رضی اللہ عنہا کو فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بزرگی دیتے ہیں کس واسطے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہشت میں ہوں گی اور یہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور بیشک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان علی رضی اللہ عنہ کے مکان سے اعلیٰ درجہ کا ہوگا لیکن حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں اور تو اور علیؓ اور حسنؓ اور حسینؓ سب ایک مکان میں ہوں گے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ تھیں کہ خلفاء کے زمانے میں اجتہاد کرتی تھیں اور بعضے کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد خدیجہ کے سب عورتوں سے افضل ہیں اور سیوطی نے اپنے فتاوی میں کہا ہے کہ اس مسئلہ میں تین مذہب ہیں اصح یہ ہے کہ فاطمہؓ عائشہؓ سے افضل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں کا مرتبہ برابر ہے اور بعض نے توقف کیا ہے بہت سے علماء حنفیہ اور بعض شافعیہ توقف کی طرف مائل ہیں اور جب مالک رضی اللہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو کہا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنَ النَّبِيِّ یعنی فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا ہے وَلَا أُفَضِّلُ عَلَى بِضْعَةٍ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أَحَدًا اور نہیں افضل کہتا ہوں میں جگر پارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی دوسرے کو۔ امام سبکی نے کہا جو مختار اور دین ہمارا ہے وہ یہ ہے کہ فاطمہ سب سے افضل ہیں ان کے بعد ان کی والدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا۔ سیوطی نے کہا ہے کہ سب عورتوں سے افضل مریم اور فاطمہ ہیں اور سب امہات المومنین سے خدیجہ

اور عائشہ افضل ہیں رضی اللہ عنہن خصائص خضری میں مذکور ہے کہ خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا میں بھی اختلاف ہے۔ متقدین کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور بعض حدیثوں میں ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سب سے زیادہ کامل اور افضل مریم عمران کی بیٹی اور فاطمہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی اور آسیہ فرعون کی بیوی ہیں رضی اللہ عنہن اور بخاری کی بعض روایت آسیہ بنت مزاحم واقع ہوا ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ فاطمہ زہرا عائشہ صدیقہ سے افضل ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے فَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النساء کفضل الثرِیدِ عَلٰی غَیْرِہٖ مِنَ الطعام اس سے یہ معلوم ہوا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چاروں عورتوں مذکورہ سے افضل ہیں۔ انتہیٰ

کہتا ہے کہ بندہ ضعیف (عبدالحق) اللہ اس کا حال درست کرے کہ حق یہ ہے کہ افضلیت کے اسباب مختلف ہیں لیکن حدیثوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاطمہ رضی اللہ عنہا سب اولاد سے زیادہ پیاری تھیں اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا سب بیبیوں سے زیادہ پیاری تھیں اگر افضلیتُ محبت کے سبب مختلف نہ رکھیں تو مشکل ہے اس واسطے کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب بیبیوں میں عائشہ رضی اللہ عنہا زیادہ پیاری تھیں اور سب مردوں میں زیادہ پیارے ان کے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ عورتوں میں سب سے زیادہ پیاری فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سب سے زیادہ پیارے علی رضی اللہ عنہ تھے اور بعض علمار نے کہا کہ یہ حدیث شاذ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سوا رسب سے بزرگ ہیں یہاں تک کہ اپنے باپ ابوبکر رضی اللہ سے بھی۔

پس اگر حیثیت مختلف کا اعتبار نہ کریں تو نہایت مشکل ہے اور افضلیت کے معنی کثرت ثواب ہیں اور اس کی حقیقت اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن

ذات کی بزرگی اور طینت کی طہارت اور جوہر کی پاکی میں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن و حسین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

وَالْخِلَافَةُ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ بَعْدَهَا مُلْكٌ وَاِمَارَةٌ

اور خلافت تیس برس ہے پھر اس کے بعد امیری اور بادشاہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃً ثم تصیر بعدہا ملکا عضوضاً یعنی خلافت میرے بعد تیس برس ہے پھر بادشاہت کاٹنے والی ہو گی کہ اس ڈنک سے بہت کم سلامت رہیں گے۔ تمامی تیس سال کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک پوری ہو گئی اور تحقیق یہ ہے کہ چھ مہینہ اس میں باقی رہے تھے امام المسلمین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اس مدت میں خلیفہ رہے ان کی خلافت سے علیحدہ ہونے پر خلافت راشدہ کی مدت تیس سال پوری ہو گئی۔ پس معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جو آپ کے بعد حاکم ہوئے وہ خلیفہ نہ تھے بلکہ بادشاہ و امیر تھے اور خلفاء عباسیہ کو جو خلفاء کہتے ہیں یہ مجاز اور باعتبار ظاہر کے ہے۔ اور محقق حنفی شیخ کمال الدین بن ہمام نے مسایرہ میں کہا ہے کہ تمام اہل حق اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ امیر معاویہ بادشاہ نہ کہ خلیفہ تھے اور بعد شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان کے امام ہونے میں اہل سنت کے مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ امام ہوئے بعض کہتے ہیں امام نہیں ہوئے۔ جو امام ہونا تسلیم کرتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ انکو امامت سپرد کر دی تھی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

وَنَكُفُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ اِلَّا بِخَيْرٍ اور اہل سنت صحابہ جب ذکر کرتے ہیں بھلائی سے کرتے ہیں برائی سے زبان کو روکتے ہیں یہی طریقہ اہل سنت کا ہے کہ لعن طعن سب و شتم اعتراض و انکار صحابہ پر نہیں کرتے بے ادبی سے بچتے ہیں اس واسطے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت صحبت سے جو وہ مشرف ہوئے ہیں اس کی حفاظت ضروری ہے۔ ان کے مناقب اور فضائل قرآن مجید اور حدیث شریف میں موجود ہیں جیسے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ

عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یعنی محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں یعنی صحابہ زور آور ہیں کفار پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع اور سجدہ میں تلاش کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کا فضل اور اس کی رضامندی۔ اور دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ ان سے یعنی صحابہ رسول سے رضامندی ہے اور وہ اللہ سے رضامند ہیں۔ اور حدیث میں ہے اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ میرے صحابہ ستارے ہیں تم جن کی پیروی ان میں سے کروگے ہدایت پاؤگے اور حدیث میں ہے فرمایا اَكْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ میرے صحابہ کی عزت کرو وہ تم میں بہترین سے ہیں اور جگہ فرمایا اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا مِنْ بَعْدِی فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فببغضی اَبْغَضَهم ومن اذاھم فقد اذانی وَمَنْ اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک اَنْ يَّاْخُذَهٗ یعنی ڈرو اللہ سے پھر ڈرو اللہ سے میرے اصحاب کے حق میں میرے بعد عیب لگانے کے واسطے ان کو نشانہ بنائیو۔ جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے میری دوستی کے سبب دوست رکھتا ہے اور جو شخص ان کو دشمن رکھتا ہے میری دشمنی کے باعث رکھتا ہے اور جس نے ان کو ایذا دی ہے اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی پس تحقیق خدا کو ایذا دی پس قریب ہے کہ خدا اس کو پکڑے گا۔

اور آپس کے جھگڑوں اور اہل بیت نبوی کے حقوق کی حفاظت اور ان کے آداب کی رعایت میں جو تقصیریں نقل کی گئی ہیں اگر ان خبروں کی صحت تسلیم کی جاوے تو بھی اُن سے اغماض و تغافل کرنا چاہیے اور کہے کو اَنْ کہا اور سنے کو اَن سنا سمجھنا چاہیے کس واسطے کہ ان کی صحبت نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ یقینی ہے اور نقلیں ظنی ہیں پس ظن یقین کے ساتھ معارض نہیں ہو سکتا اور خبر یقینی ظنی سے متروک نہیں ہو سکتی۔ حاصل یہ کہ معاویہ و عمر بن عاص و مغیرۃ بن شعبہ اور ان جیسوں تک

سرحد دارالاسلام ہی کی ہے جو کوئی اہل سنت جماعت کے مشائخ کا تابع اور پیرو ہے اس کو لازم ہے کہ ان کو بُرا کہنے اور زبان طعن ان پر کھولنے سے رو کے اگرچہ اہل سیر و تاریخ نے بعض ایسے امر نقل کئے ہیں کہ ان کے تصور کرنے سے دل کو حیرانی اور وحشت ہوتی ہے اور کدورت پیدا ہوتی ہے پر سلامتی اغماض کرنے اور زبان بند کرنے میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ صفین میں معاویہ کے لشکر میں سے ایک شخص کو گرفتار کر کے عروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا وہاں جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص کو اس پر رحم آیا اس نے کہا کہ سبحان اللہ میں جانتا تھا کہ بہت اچھا مسلمان ہے اس کا کیا حال ہو گیا آپ نے فرمایا کہ یہ اب بھی مسلمان ہی ہے۔ غرض یہ کہ ان کو بُرا کہنا ان پر طعن کرنا اگر دلیل قطعی کے مخالف ہے جیسے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زنا کی تہمت لگانی کہ ان کی طہارت اور پاکی قرآن مجید سے ثابت ہے اور جو دلیل قطعی کے مخالف نہ ہو بدعت ہے۔ اہل سنت جماعت کہتے ہیں بڑا جرم معاویہ اور ان جیسوں کا یہ ہے کہ امام برحق و خلیفہ مطلق یعنی علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی اور ان پر خروج کیا جیسا کہ عمار بن یاسر کی حدیث سے کہ شہرت و تواتر معنوی کے درجہ کو پہنچی ہے ثابت ہوتا ہے تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَكَ اِلَى النَّارِ یعنی اے عمار ایک گروہ باغی تیرے سے قتال کرے گا تو ان کو جنت کی طرف بلاتا ہو گا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلاویں گے۔ یہ کفر نہیں ہے اور نہ لعنت کرنے کے لائق ہے اور علما مجتہدین و سلف سابقین میں سے کسی نے ان پر لعنت نہیں کی۔ اصل عادت اہل سنت کی سب و لعن کا ترک کرنا ہے کہ مومن پر لعنت درست نہیں ہے اور کافر پر بھی لعنت جائز نہیں رکھتے کہ اس کے انجام کا حال معلوم نہیں ہے تعجب نہیں کہ اس کا انجام ایمان اور سعادت پر ہو مگر جبکہ اس کا خاتمہ کفر و شقاوت پر ہو تو لعنت اس پر جائز ہے اور بعضے یزید شقی کے حال میں بھی توقف کرتے ہیں اور بعضے یزید اور اس کے مددگاروں اور یاروں کی شان میں اتنا غلو و افراط کرتے ہیں کہ مسلمانوں

اتفاق سے امیر ہوا تھا اس کی اطاعت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھی نعوذ باللہ من ھذا القول ومن ھذا الاعتقاد یزید پلید حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہوتے ہوئے کیونکر امیر ہو سکتا تھا اور مسلمانوں کا اتفاق اس پر کب ہوا اصحاب رضی اللہ عنہم کا گروہ جو اس کے زمانہ میں موجود تھا وہ اور ان کی اولاد سب اس کے منکر اور اس کی اطاعت سے خارج تھے۔ ایک جماعت مدینہ طیبہ سے جبراً و کرہاً شام میں اس کے پاس گئی تھی اور اس نے اس کی بہت خاطر داری کی تھی لیکن جب انھوں نے اس کا حال دیکھا اور مآل کی برائی معلوم کی الٹے پھر آئے اور اس کی بیعت توڑ دی اور کہا کہ وہ یعنی یزید پلید اللہ کا دشمن ہے اور تارک الصلوٰۃ و شراب خوار و زانی و فاسق اور حرام عورتوں کا حلال کرنے والا ہے۔

بعض نے کہا یزید پلید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم نہیں تھا اور ان کے قتل سے راضی نہ تھا اور ان کی شہادت کے بعد خوش و سرور نہیں ہوا یہ کلام بھی باطل و مردود ہے اس واسطے کہ عداوت اس شقی کی اہلبیت نبوی رضی اللہ عنہم سے اور خوشی ان کے قتل سے اور ان کی اہانت کرنی یہ سب تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہے اور اس سے انکار تکلف و مکابرہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا قتل کبیرہ ہے اس لئے کہ نفس مومن کا ناحق قتل کرنا کبیرہ ہے نہ کفر اور لعنت کافروں کے ساتھ مخصوص ہے ایسے کلام والوں کے حال پر افسوس ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام پاک پر نظر نہیں ہے کہ بغض و اہانت و ایذا فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغض و اہانت و ایذا ہے اور وہ بیشک کفر و لعنت و جہنم میں سزایاب ہوں گے کیونکہ یہ آیت اس پر دال ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا اور جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکار اللہ نے دنیا اور آخرت میں اور تیار کیا ان کے واسطے عذاب دردناک۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید پلید کا خاتمہ معلوم نہیں شاید کہ اس نے کفر و گناہ کے بعد توبہ کر لی ہو اور خاتمہ اس کا توبہ کی حالت میں ہوا ہو۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان احیاء العلوم

میں اسی کی طرف ہے۔ امام احمد حنبل اور علماء سلف نے ان پر لعنت کی ہے اور ابن جوزی نے کہ حفظ سنت اور شریعت میں کمال شدت و عصبیت رکھتے ہیں اپنی کتاب میں سلف سے اس پر لعنت معلوم ہوتی ہے بعض نے منع کیا ہے بعض توقف میں رہے ہیں۔ حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک یزید پلید سب آدمیوں سے زیادہ بدتر و مغبوض ہے اور اس بے بیعادت نے وہ کام کئے ہیں کہ اس امت میں کسی نے نہیں کئے بعد قتل امام حسین علیہ السلام کے اور اہل بیت کی اہانت کی اس نے مدینہ منورہ کے خراب کرنے کو اور وہاں کے رہنے والوں کے قتل کرنے کو لشکر بھیجا اور بقیہ اصحاب و تابعین رضی اللہ عنہم کے قتل کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کی تحریک کے بعد مکہ معظمہ اور اس کی حرم شریف پر قبضہ کرنے کا اور عبداللہ بن زبیر کے قتل کا حکم دیا انہیں دنوں اسی حالت میں وہ مرگیا ایسے حال میں توبہ ورجوع کا کیا احتمال ہے اللہ تعالی ہمارے اور تمام اسلام کے دلوں کو اور اس کے دوستوں اور مددگاروں کی محبت سے دور رکھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ جس نے برائی کی ہو یا اُن کا بُرا چاہا ہو یا ان کا حق برباد کیا ہو اور ان کے ساتھ سچی عقیدت کا رستہ نہ چلا ہو ان سب کی محبت سے اللہ کریم پاک رکھے اور بچاوے اور ہم کو اور ہمارے دوستوں کو قیامت کے دن اہل بیت و صحابہ کے گروہ میں اٹھاوے اور دنیا و آخرت میں ان کے راستہ پر چلاوے بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ وَهُوَ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔

وَالْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ یعنی مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے کبھی صواب پر ہوتا ہے مذہب مختار یہی ہے کہ مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے اور وہ اس اجتہادی خطا میں معذور بلکہ ماجور ہے یعنی اس کو اس خطا پر اجر بھی ملتا ہے اس لیے کہ اُس نے اپنی طاقت کے بموجب اجتہاد میں خوب کوشش کی اور افاضہ یعنی راہِ راست و صواب پر پہنچانا یہ خدا کا کام ہے حدیث میں آیا ہے اِنْ اَخْطَاتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ وَاِنْ اَصَبْتَ فَلَكَ حَسَنَتَا یعنے اگر تو نے اجتہاد میں خطا کی تو تیرے واسطے ایک نیکی ہے اور اگر راہ راست پر پہنچا تو تیرے لئے دو نیکیاں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مجتہد مصیب ہے اور اس کے لئے وہی حق ہے جو اس کے اجتہاد کی انتہا ہے۔ یہ اختلاف مسائل فرعیہ اور عملیہ اور احکام فقہیہ میں ہے کیونکہ اس باب میں ظن غالب پر کفایت ہے اور یہی اولی اور آخری ہے۔ جزم اور یقین کی ضرورت نہیں۔ اعتقادیات اور مسائل کلامیہ میں حق ایک ہی ہے کس واسطے کہ وہ نفس الامر اور واقعہ

کی خبر ہے اور واقعہ نفس الامر ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اجتہاد کی شرطیں اور اس کے احکام اور غیر مجتہد کی تقلید اور اس کا لازم کرنا اور اس سے رجوع کرنا یہ سب اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

وَلَا نُكَفِّرُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ اور ہم کافر نہیں کہتے اہل قبلہ میں سے کسی کو۔ اہل قبلہ وہ ہیں کہ مسلمانوں کے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور کتاب و سنت قرآن و حدیث پر چلتے ہیں اور ان کی سند پکڑتے ہیں اور کلمہ شہادتیں پڑھتے ہیں پس اُن کو کافر نہ کہنا چاہیئے اگرچہ ان سے بعضے ایسے کلمے صادر ہوں جن سے کفر لازم آتا ہو لیکن جب وہ اس کا التزام نہ کریں یا اُن کلمات میں سے کفر کا لازم آنا صاف طور معلوم نہ ہوتا ہو۔ ان کو کافر نہ کہنا چاہیئے اور جب تک ممکن ہو مسلمانوں کے کلام کی توجیہہ اور ان کے حال کی درستی کرنی چاہیئے اور کافر کہنے میں جلدی اور تشدد نہ کرنا چاہیئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی کسی کو کافر کہتا ہے اگر حقیقت میں کافر نہیں ہوتا تو کہنے والا اُسی وقت کافر ہو جاتا ہے اور لعنت کرنے کا بھی ایسا ہی حکم ہے یعنی وہ شخص جس کو لعنت کی ہے لعنت کا مستحق نہیں ہے تو وہ لعنت کہنے والے پر الٹی آتی ہے پس لعنت کرنے اور کافر کہنے کے ترک کرنے ہی میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم۔

وَرُسُلُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ رُسُلِ الْمَلٰٓئِكَةِ وَرُسُلُ الْمَلٰٓئِكَةِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الْبَشَرِ وَعَامَّةُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الْمَلٰٓئِكَةِ

خواص بشر کہ انبیاء و رسول ہیں خواص فرشتوں سے کہ رسول اور پیغمبر فرشتوں میں سے ہیں افضل ہیں یعنی اولیاء و اتقیاء و بزرگان دین عوام ملائکہ سے افضل ہیں یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں اختلاف بالکل نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ فرشتوں سے بشر کے افضل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم کیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور سجدہ اقسام خدمت سے ہے نہایت تعظیم پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ادنیٰ کو اعلےٰ کی خدمت کا حکم کیا جاوے اور جب آدم علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوئی تو سب انبیاء علیہم السلام کی ثابت ہوئی اس واسطے کہ انبیاء علیہم السلام سب برابر ہیں۔ یہ کلام نہایت غریب ہے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کی حکمتوں کا کون احاطہ کرسکتا ہے کہ

ہیں اپنی حکمتوں کو وہی خوب جانتا ہے کبھی اعلیٰ کو ادنیٰ کی خدمت کا حکم کرتا ہے تاکہ اپنی قدرت کے کمال کو ظاہر کرے یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید اللہ کریم جو چاہے کرے اور جو اس کا ارادہ ہو اس کا حکم دے۔

دوسرے یہ کہ اہل سنت وجماعت کے مذہب میں اللہ تعالیٰ پر حکمت کی رعایت واجب نہیں ہے مگر معتزلہ کے نزدیک واجب ہے اور وہ ملائکہ کی افضلیت کے قائل ہیں اس لیئے یہ دلیل ان کے مقابلہ میں الزامی ہو سکتی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ طاعات وعبادات کا بجالانا اور کمالات کا حاصل کرنا باوجود اسقدر علاقوں کے اور منع کرنے والوں کے نہایت مشکل اور سخت دشوار ہے اس لئے اس کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے پس اگر افضلیت کے معنی کثرت ثواب کے لیئے جاویں تو آدمی کی افضلیت کی یہ کامل دلیل ہے اور علائق جسمانی سے پاک اور بدن کی کدورتوں سے صاف ہونا یہ افضلیت ملائکہ میں ہی ہے اس لئے بعض محققین نے کہا ہے کہ افضلیت کی حقیقۃ مختلف ہے اور صرف نزاع لفظی ہی ہے کہ عبادت کی صعوبت اور مجاہدے کی شدت کے باعث تو بشر افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کی نزدیکی اور جسم کی پاکی و نورانیت کی جہت سے فرشتے افضل ہیں اور آدمی کا کمال و ترقی اس میں ہے کہ ملائکہ کی نزدیکی کو پہنچے اور ملکوت اعلیٰ سے جاملے پھر اگر انسان کی جامعیت اور اسماء و صفات الٰہی کا مظہر اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہونا دیکھا جاوے اور اس کے ان کمالات پر نظر کی جاوے تو انسان ہی راجح آوے اور یہ بھی کہا ہے کہ دلیل متعارض ہے اور مسئلہ ظنی ہے یقین کو وہاں راہ نہیں واللہ اعلم۔

باوجود اس کے اعتقاد کرنا چاہیئے کہ رسولوں کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے سردار جن وانس اور سب مخلوقات سے افضل ہیں اور یہ تفضیل انبیاء علیہم السلام کی فرشتوں پر جو بیان ہوئی ہے اہل سنت وجماعت کا یہی مذہب ہے اور معتزلہ کے نزدیک فرشتے بشر سے افضل ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں تردد و توقف نقل کیا گیا ہے۔ بسبب معارض ہونے دلیلوں کے اور کہتے ہیں کہ وہ پہلے فرشتوں کی افضلیت کے قائل تھے

آخر اس سے بشر کی افضلیت کی طرف رجوع کی اور قاضی ابوبکر باقلانی سے بھی توقف نقل کیا گیا ہے۔ امام تاج الدین سبکی نے کہ ائمہ شافعیہ میں مشہور ہیں کہا ہے کہ اگر کسی کی ساری عمر گزر جاوے اور اس کے دل پر انبیاء علیہم السلام کی بزرگی فرشتوں پر خطرہ نہ کرے امیدوار ہوں کہ قیامت کو اس سے سوال نہ کریں۔ انتہی اور بعض کہتے ہیں کہ ظاہر امسئلہ تفضیل ہر جگہ یہی حکم کہتا ہے اور کلام کا انجام اسی پر ہے کہ حیثیتوں کا اختلاف ہے واللہ اعلم۔

وَكَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ کرامتیں اولیاء اللہ کی حق ہیں۔ ولی اللہ وہ ہے کہ اس کو اللہ کی معرفت پوری حاصل ہو اور اللہ تعالےٰ کے احکام کی اطاعت کامل کرتا ہو اور گناہوں سے دور بھاگتا ہو اور دنیا کی لذتوں اور خواہشوں کی طرف متوجہ نہ ہو روا ہے کہ اس سے خرق و عادات ظاہر ہوں اور حقیقت میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ یہ ولی اُن کی اُمت میں سے ہے اور معجزے آپ کے کئی قسم کے ہیں بعض اُن میں سے وہ ہیں کہ نبوت سے پہلے واقع ہوئے ہیں ان کو ارہاصات کہتے ہیں اور جو بعد نبوت کے بحالت حیات شریف ہوئے ہیں وہ معجزے کہلاتے ہیں اور بعض رحلت کے بعد آپ کی اُمت کے اولیاء اللہ سے ہوئے ہیں ان کو کرامات کہتے ہیں پس یہ بھی آپ ہی کے معجزے ہیں کہ آپ کے اور آپ کے دین کے سچے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ آپ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپ کی امت کے اولیاء رحمہم اللہ سے ہوئے ہیں کہ ان کے ثبوت بطریق شہرت و تواتر کے ہو چکا ہے انکار کی اصلاً گنجایش نہیں ہے اور خاص کر بڑے بڑے ولیوں سے بہت بہت کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں جیسے حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی وغیرہ رحمہم اللہ سے چنانچہ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کراماته بلغت حدّ التواتر و معلوم بالاتفاق ما بلغت منها احد من شيوخ الآفاق۔ کرامتیں حضرت شیخ عبدالقادر رحمت اللہ علیہ تواتر کی حد کو پہنچی ہیں اور بالاتفاق سب جانتے ہیں کہ تمام جہان کے شیوخ میں سے کسی کی کرامتیں ان کی برابر نہیں ہوئیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ولی کی کرامت نبی کے معجزے کی جنس سے نہیں ہوتی ہے جیسے شق قمر و سلام حجر اور سجدہ شجر اور بعض کہتے ہیں کہ کرامت ولی سے اپنے قصد و اجتہاد سے نہیں

ہوتی اور بغیر دعوی دلالت وکرامت کے بھی ہوتی ہے اور حق یہ ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے بطریق معجزہ کے صادر ہوتا ہے جائز ہے کہ ولی سے بطور کرامت کے ظاہر ہو اور بے اختیار ہونے کی قید جو لگائی ہے صحیح نہیں ہے وہ اختیار سے بھی ہوتی ہے اور بے اختیار بھی ہوتی ہے اور کبھی ایسے شخص سے ہوتی ہے کہ ولایت کے مقام میں ثابت قدم و راسخ دم ہوتا ہے اور اس کے سچے دعوی کے لئے دلیل ہوتی ہے قَالُوْا وَکَانَ الشَّیْخ مُحْیِ الدِّین کَثِیْرَ الدَّعْوٰی لِلْحَقِّ فِیْ حَقِّ کہا ہے اہل سیر نے کہ شیخ محی الدین عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ بہت بلانے والے تھے حق کی طرف اللہ کے لئے اللہ کی معرفت کے باب میں اور کرامت کا ہونا ولایت کی شرط نہیں ہے بہت سے ولی ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے کرامت نہیں ہوتی اور ولایت کی اصل دین پر استقامت ہے کہ اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ابتدا میں ہو تو سالک کی تربیت پر دلالت کرتی ہے اور مجاہدہ میں چست و چالاک کرتی ہے اور یقین کو بڑھاتی ہے اور انتہا میں مریدوں کی تربیت اور ان کے تردد اور انکار کے دفع کرنے کا فائدہ دیتی ہے۔

سب قسمیں خرق عادت کی چار ہیں اگر مومن صالح متقی کامل معرفت والے سے ہو اس کو کرامت کہتے ہیں اور جو نبی سے نبوت کے دعوی پر معجزہ ہے اور اس سے پہلے ارہاص اور مومن اہل صلاح سے ہو تو اس کو معونت کہتے ہیں اور حقیقت سحر و طلسم و شعبدے کی جدا ہے یہ چیزیں فرق عادت نہیں ہوسکتیں اس واسطے کہ ان میں عمل اور اسباب کو دخل ہوتا ہے جو کوئی ان عملوں اور سببوں کو کرتا ہے موافق جاری ہونے عادت کے انکا ثمرہ مرتب ہوجاتا ہے جیسا کہ طبیب حاذق کے علاج پر شفا مرتب ہوجاتی ہے خرق عادت وہ ہے کہ عادت کے خلاف ہو۔

وَلَا یَبْلُغُ وَلِیٌّ دَرَجَۃَ الْاَنْبِیَآءِ اور کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ اس واسطے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے معصوم ہیں اور عزل و برطرفی سے بےخوف ہیں اور ان کو برے خاتمے کا بھی خوف نہیں ہے اور ان پر وحی آتی ہے اور ان کو حکم

ہے کہ اللہ تعالےٰ کے احکام اور ہدایت خلق اللہ کو پہنچا دیں یہ سب درجے انبیا کے
اُن کمالات سے کہ اولیا کو حاصل ہوتے ہیں زیادہ ہیں۔ حاصل یہ کہ افضلیت نبی کی
ولی سے قطعی و یقینی ہے جو کوئی اس کے خلاف اعتقاد کرے گا وہ کافر ہے۔

كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْعُلَمَاءِ اور یہ جو کہا ہے کہ اَلْوِلَايَةُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ یعنی
ولایت نبوت سے افضل ہے اس سے ولایت کی تفضیل و ترجیح نبوت پر ثابت
ہوتی ہے لیکن ولی کی تفضیل نبی پر لازم نہیں آتی اس واسطے کہ ولایت اللہ تعالےٰ
کے ساتھ قرب حاصل ہونے کی نسبت ہے اور اللہ تعالےٰ کی جانب اقدس سے فائدہ
و فیض حاصل کرنا۔

اور نبوت خلق اللہ کو خبریں اور فائدہ و فیض پہنچانا اور ضرور وہ نسبت یعنی قرب
مع اللہ اس نسبت سے شریف اور فاضل ہے اور نبی ان دونوں صفتوں کا جامع ہے
پس وہ ولی سے فاضل ہوتا ہے اور باوجود اس کے اس کلام کا کہنے والا معلوم نہیں
کہ کون ہے اور اس نے کس غرض سے کہا ہے اگر اس کی مراد ولی کی تفضیل ہے نبی
پر تو یہ کلام باطل اور واجب الرد ہے اور جس نے کہا ہے وہ بھی۔

وَلَا يَصِلُ الْعَبْدُ اِلٰى حَيْثُ يَسْقُطُ عَنْهُ الْاَمْرُ وَالنَّهْيُ اور بندہ ایسے
درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ شرعی تکلیفیں اُس سے ساقط ہو جاویں جیسا کہ اہل الحاد و
اباحت کہتے ہیں کہ جب بندہ محبت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور اُس کو قلب کی صفائی
حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا ایمان راسخ ہو جاتا ہے احکام شرعی اس سے ساقط
ہو جاتے ہیں اور پھر اللہ تعالےٰ اس کو کبیرہ گناہ پر نہیں پکڑتا یہ کلام محض کفر و گمراہی
ہے اور ایمان راسخ تو وہ طاعت و عبادت میں بڑھ جاتا ہے اور کامل ہو جاتا ہے
نہ یہ کہ صفتیں اس کی ناقص ہو جاویں اور ساقط ہو جاویں۔ گناہ پر پکڑنا یا نہ
پکڑنا یہ اللہ تعالےٰ کی مشیت پر موقوف ہے وہ مختار ہے چاہے پکڑے یا نہ پکڑے
لیکن تکلیف کا ساقط ہونا صورت نہیں رکھتا

انبیاء علیہم السلام سے محبت و ایمان میں کون زیادہ ہے ان کے حق میں تو

تکلیف پوری اور کامل ہے اس کے جواب میں بعض کہا کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال احکام الٰہی کے جاری کرنے کے واسطے ہوتے ہیں اور شریعت کے وضع کرنے کے واسطے لہٰذا انبیاء کو احکام کا ترک کرنا لائق نہیں۔ یہ لوگ شرع جاری کرنے کے معنی بھی نہیں سمجھے اور اتنا خیال نہیں کرتے کہ شرع اس واسطے ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں اور پیغمبروں سے اقوال کا اتباع کریں پس لوگوں کو عمل کرنا چاہیئے کہ شرع جاری کرنے کی مصلحت باطل نہ ہو جاوے اور سقوط تکالیف کسی صورت میں جائز نہیں۔

وَالنُّصُوْصُ تُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاہِرِہَا یعنی آیات اور احادیث کو ان کے ظاہر پر چھوڑ دینا چاہیئے اور بے ضرورت ان کی تاویل نہ کرنی چاہیئے اس مقام کی تحقیق اور تاویل کی شرطیں اور اس کا جائز ہونا یا نہ جائز ہونا کتاب التفرقہ بین الکفر والزندقہ کہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے ہے طلب کرنی چاہیئے۔

وَالْعُدُوْلُ عَنْہَا اِلٰی مَعَانٍ یَدَّعِیْہَا اَہْلُ الْبَاطِنِ اِلْحَادٌ اور آیات واحادیث کے ظاہر معنی سے عدول کرنا ایسے معنی کی طرف کہ الفاظ کے باطن کی طرف پھیرنے والے ان کا دعویٰ کرتے ہیں الحاد ہے۔ اور یہ فرقہ باطنیہ وملاحدہ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے ظاہر معنی مراد نہیں ہیں بلکہ ان سے رموز اور اشارے باطن کے مراد ہیں کہ بجز معلم کے ان تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور یہ لوگ امام معصوم کو معلم کہتے ہیں کہ حق کی معرفت بغیر اس کی تعلیم کے ان کے نزدیک حاصل نہیں ہو سکتی پس یہ کلام ان کا زندقہ والحاد ہے اگر ظاہر کے معنی مراد نہیں ہیں تو نماز و روزہ اور طاعات و عبادات اور شریعتیں اور احکام کہاں سے ثابت ہوئے اور کیونکر معلوم ہوئے۔ اور جو کسی کو ان کے وصول کا رستہ نہ معلوم ہو تو کتابوں کا نازل کرنا اور شریعتوں کا بیان کرنا بے فائدہ ہوا اور ان کے معلم پیغمبروں اور اصحاب اور ان کے تابعداروں سے بڑھ کر ٹھہرے اس لئے کہ یہ سب نصوص کے ظاہری معنی لیتے تھے اور ان کے ظاہر پر عمل کرتے تھے اور اسی پر حکم دیتے تھے اور حقیقت میں ان ملحدوں کا دین بگاڑنا اور اس کا باطل کرنا مقصود ہے خَذَلَہُمُ اللّٰہُ وَلَعَنَہُمْ اہل تحقیق جو رموز واشارات کا علم رکھتے ہیں کہتے

ہیں کہ نصوص سے ان کے ظاہری معنی مراد ہیں اور باوجود اس کے قرآن مجید میں رمزیں اور اشارے بھی ہیں کہ ان کے ظاہری معنوں سے مخالفت نہیں رکھتے مثلاً فرعون و موسیٰ ظاہر میں موجود ہیں اور ان میں جو واقعات ہوئے ہیں وہ سب ظاہر میں ہوئے اور باوجود اس کے اگر کوئی روح و نفس کے قصے کی طرف اشارہ کرے ہو سکتا ہے کہ یہ کہے یہاں نہ موسیٰ ہے نہ فرعون ہے فقط روح و نفس ہی مراد ہے اور وَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ سے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہے کہ جوتیاں اتار ڈالے اور وادی مقدس میں ننگے پاؤں ادب سے آوے اور باوجود اس کے عاشقوں کے نزدیک اشارہ ہے دونوں جہان کا دل سے الگ کر دینا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت و قربت کی مقام امین تنا ادب ضروری ہے نہ کہ یہ کہ یہاں وادی قدس ہے نہ موسیٰ نہ نعلین اس سے زیادہ یادہ گوئی اور کفر کیا ہوگا۔

وَفِيْ دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَتِهِمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَّهُمْ اور زندوں کی طرف سے دعا کرنے اور صدقہ دینے میں مردوں کے لئے نفع ہے اس باب میں حدیثیں اور آثار بہت ہیں نماز جنازہ بھی اسی قسم سے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے جس کے جنازہ پر نو مسلمان نماز پڑھیں اور اس کی بخشش کے واسطے دعا مانگیں بیشک وہ بخشا جاتا ہے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوگئی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اس باب میں کیا صدقہ بہتر ہے فرمایا پیاسوں کو پانی پلانا پس سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا اور کہا هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ ام سعد کے واسطے ہے۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے۔ اَلدُّعَاءُ تَرُدُّ الْبَلَاءَ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ دعا بلا کو دور کرتی ہے اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو بجھاتا ہے یعنی زندوں اور مردوں سے دین و دنیا میں۔

اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ جب عالم و طالب علم کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو اس گاؤں کے مقبرہ سے چالیس روز تک عذاب اٹھایا جاتا ہے یہاں سے علم اور پڑھنے پڑھانے کی بزرگی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حافظوں اور

مدرسوں کا مقرر کرنا کتنا بہتر اور کسقدر ثواب کا کام ہے۔
وَاللّٰہُ مُجِیْبُ الدَّعَوَاتِ وَقَاضِی الْحَاجَاتِ اور اللہ تعالےٰ اپنے فضل
کرم سے دعاؤں کا قبول کرنے والا اور حاجتوں کا روا کرنے والا ہے اگر سچی توجہ اور دل
کے حضور اور عاجزی سے رو کر دعا کی جاوے بیشک قبول ہوتی ہے دنیا یا آخرت میں
اور دعا کے قبول ہونے کی شرطیں ہیں اور اس کے موانع بھی ہیں سب شرطوں میں
بڑی شرط دل کا حضور اور حلال کا کھانا ہے اور سب منع کرنے والوں میں بڑا مانع استبطاء
واستعجال ہے یعنی یوں کہے کہ بہت دعا کی میں نے اور قبول نہیں ہوئی اور باوجود یہ کہ
قبولیت کی شرطیں نہ ہوں اور موانع بھی موجود ہوں جب بھی اللہ تعالےٰ کا فضل و
کرم ورحمت باقی ہے حاصل یہ کہ دعاء عبادت ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ دعا عبادت
کا مغز ہے اور جیسے اور عبادتیں اپنے اپنے وقتوں اور سببوں خاص میں واجب ہوتی
ہیں۔ اسی طرح بلا اور مصیبت کے وقت دعا بھی لازم ہوئی ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا
اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی دعا مانگو میں قبول کروں گا۔

کر دعا ہر وقت تا ہووے قبول ؛ گر نہ ہو تو بھی نہ ہو دل میں ملول
حق میں تیری جو پڑی ہووے دعا ؛ فضل سے اپنے نہیں سنتا خدا

مثلاً ایک کسان بادشاہ کی درگاہ میں حاضر ہو کر ایک گھوڑا عربی مانگے اور بادشاہ
اس کے بدلے میں ایک جوڑی بیلوں کی عطا کرے تو ظاہر میں بادشاہ نے اس کی درخواست
قبول نہیں کی اور جیسا گھوڑا وہ چاہتا تھا اس کو نہیں دیا لیکن باطن میں اس کی
درخواست نہایت اچھے طور سے قبول کی کہ اس کو وہ چیز دی جو اس کے حق میں گھوڑے
سے زیادہ مفید تھی بیلوں سے اس کی کھیتی کو جو نفع پہنچے گا وہ گھوڑے سے کب پہنچتا
بلکہ اس کی خدمت اس کی جان کا وبال ہو جاتی اور اس پر سے گر کر اس کی گردن ٹوٹتی
پس دنیا کی فضول چیزوں کی درخواست کا قبول نہ کرنا یا اس میں توقف کرنا کہ نفس
کی لذتوں میں مصروف رہ کر خدا تعالےٰ سے دور نہ پڑے اور آخرت کے عذاب میں
مبتلا نہ ہو اسی قسم سے ہے اور جس کو اللہ تعالےٰ سمجھ دے اور اس کو اللہ تعالےٰ پر

حسن ظن حاصل ہو اس کے حق میں دینا اور نہ دینا دونوں برابر ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہا ہے اَلْعَطَاءُ مِنَ الْخَلْقِ حِرْمَانٌ وَالْمَنْعُ مِنَ اللّٰهِ اِحْسَانٌ یعنی خلقت کے دینے میں گویا محرومی ہے اور خدا تعالےٰ کے دعا نہ قبول کرنے میں احسان ہے کہ مصلحت سے خالی نہیں، کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا وَمَا دُعَاءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ یعنی نہیں دعا کافروں کی مگر گمراہی۔ مگر دنیا کے کاموں میں قبول ہوتی ہے اور مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ کافر ہو واللہ اعلم۔

وَیَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے نماز میں جماعت نہ چھوڑنی چاہیئے۔ امام متقی و پرہیزگار کے بہم پہنچنے کا پابند نہیں رہنا چاہیئے کہ جماعت سنت موکدہ ہے اور حضرت نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت کے التزام کی نہایت تاکید فرمادی ہے۔ ہاں اگر مرد صالح متقی امامت کے لئے پیدا ہو بہتر ہے نہیں تو ہر مسلمان کے پیچھے روا ہے یہاں تک کہ فاسق کے پیچھے بھی پڑھ لے کہ بشرطیکہ اس کا فسق کفر تک نہ پہنچا ہو پر جماعت ترک نہ کرے لیکن یہ ضرور ہے کہ امام کو نماز کے ارکان اور احکام کا علم ہو اور اسقدر قرآن اُسے یاد ہو کہ جس سے نماز جائز ہو سکے۔

وَنَرَی الْمَسْحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ اور ہمارے نزدیک یعنی اہل سنت و جماعت کے نزدیک خفین پر مسح کرنا درست ہے یہ علامت سنی ہونے کی ہے۔ بحالت قیام ایک رات ایک دن تک اور سفر میں تین رات تین دن تک خفین پر مسح کرتا رہے۔ کہتے ہیں علامت اہل سنت کی تین ہیں۔

تفضیلُ الشیخین ومحبۃُ الختنین وَالمسحُ علی الخفین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو سب سے بہتر جاننا عثمان اور علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنی اور موزوں پر مسح کرنا اہل بدعت یعنی روافض اس کے قائل نہیں ہے۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو دیکھا کہ سب موزوں پر مسح کرنے کو درست جانتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں

لوگوں نے موزوں پر مسح کرنے کا حکم پوچھا فرمایا مسافر کو تین رات دن اور مقیم کو ایک رات دن درست ہے ایسا ہی سنا ہے میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسری جگہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر اس شریعت میں عقل کے قیاس پر حکم ہوتا تو موزوں کے تلے پر مسح کرنا بہتر ہوتا لیکن شرع کے حکم یہ ہے اور شرع میں مسح موزوں کے اوپر کرنا آیا ہے۔ اور جاننا چاہیے اگرچہ پاؤں نہ دھونا عزیمت یعنی بہتر ہے اور موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے لیکن اس کے جواز کا اعتقاد رکھنا چاہیے اور جو تہمت کے مقام پر رخصت کو اختیار کریں مصلحت سے زیادہ قریب ہے۔

وَاسْتِحْلَالُ الْمَعْصِيَةِ صَغِيرَةً كَانَتْ اَوْ كَبِيرَةً وَاسْتِخْفَافُهَا كُفْرٌ گناہ کو حلال جاننا اور ہلکا سمجھنا چھوٹا ہو یا بڑا کفر ہے اگرچہ شہوت کے غلبہ اور بشریت کے حکم سے اس کو کرے اور اس میں مبتلا ہو جاوے پر چاہیے کہ اس کو گناہ جانتا رہے اور اپنے قصور کا اقرار کرتا رہے۔ صغیرہ کا ہلکا جاننا یہ ہے کہ اس کو بے حقیقت سمجھے اور سبب عذاب کا نہ جانے ورنہ ظاہر ہے کہ صغیرہ کبیرہ سے ہلکا ہے اور اس کا کرنے والا کبیرہ گناہ کے کرنے والے سے عذاب میں کم ہے۔

وَالْاِسْتِهْزَاءُ عَلَى الشَّرِيْعَةِ وَالْاِسْتِهَانَةُ بِهَا كُفْرٌ شریعت کی ہنسی اور اہانت کرنی کفر ہے اس لئے کہ جھٹلانے اور انکار کرنے کا نشان ہے۔

وَالْهَزْلُ بِالْكُفْرِ كُفْرٌ بولنا کلمہ کفر کا بطریق ہزل کے بھی کفر ہے اگرچہ اس کے معنی دل میں مراد نہ ہوں اور ان پر اعتقاد نہ ہوں اس لئے کہ ہزل استخفاف کا سبب ہے اور جب کہ گناہ کا استخفاف کفر ہے تو کفر کو استخفاف بدرجہ اولیٰ کفر ہے خواہ نہ جانتا ہو کہ یہ کلمہ کفر کا ہے۔ کیونکہ جہل اسباب عذر میں سے نہیں اور بعض علماء کے نزدیک اگر اس کا کفر کا کلمہ ہونا نہ جانتا ہو تو معذور ہے اور بھولے سے یا خطا سے بولا یا بے اختیار زبان سے نکل گیا تو کفر نہیں ہے۔ اجماعاً

وَلَا يُحْكَمُ بِكُفْرِ السَّكْرَانِ جو نشے میں مست ہو عقل زائل ہو گئی ہو بے اختیار

منہ سے بکتا ہو اس کی زبان پر کلمہ کفر آوے تو اس کا اعتبار نہیں اس کو کافر کہنا چاہیئے ہاں دوسرے تصرفات اس کے جیسے طلاق دینا غلام کو آزاد کرنا خریدنا فروخت کرنا کسی چیز کا اقرار کرنا جائز قرار دیئے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کفر ایک امر مذموم اور بُرا ہے اپنی ذات میں جہاں تک ہو سکے اس کا دفع کرنا ضروری ہے اس لئے زوال عقل اس کا عذر اور رکاؤ ہو سکتا ہے بخلاف اسلام کے کہ وہ مطلوب و مرغوب ہے جس طرح سے ہو سکے اس کا اثبات واجب ہے اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نشے والے کا کفر بھی کفر ہے۔

وَتَصْدِيْقُ الْكَاهِنِ بِمَا يُخْبِرُ بِهٖ عَنِ الْغَيْبِ كُفْرٌ اور کاہن کہ غیب کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے اس کو جاننا کفر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی کاہن کے پاس جاوے اور اس کے کلام کو سچا کہے وہ کافر ہو جاتا ہے اس دین سے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں۔

عرب میں بہت کاہن تھے علم غیب کا دعویٰ کیا کرتے تھے جن اور شیطان ان کو خبریں پہنچاتے تھے۔ نجومی بھی کاہن کے حکم میں ہے جو کوئی نجومی کی تصدیق کرے اور اس کی بات کو سچا جانے کافر ہے۔ حالانکہ یہ کہ کواکب کی تاثیر اور آسمان کی گردش کا گرمی و سردی اور مینہ برسنے کی زیادتی و کمی اور میووں و پھلوں کے پکنے اور ان کی مانند اور کاموں میں دخل ظاہری اس میں کلام نہیں مگر سعادت و نحوست اور ان کی مانند اور چیزوں میں کچھ دخل نہیں ہے اور جو ہو بھی تو ہماری شریعت میں اس پر یقین کرنا منع ہے بالفرض اگر پہلی شریعتوں میں درست تھا تو بھی اس شریعت روشن میں منسوخ ہو گیا منع کرنے کو اسی قدر کافی ہے۔

وَالْيَاْسُ مِنَ اللّٰهِ كُفْرٌ اور اللہ تعالٰے کی رحمت سے نا امید ہونا کفر ہے۔ وَلَا يَيْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ نہیں نا امید ہوتے اللہ تعالٰے کی رحمت سے سوائے قوم کافرین کے۔ مسلمان اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو اس کو اللہ تعالٰے کی رحمت سے نا امید ہونا نہیں چاہیئے۔ یہ امید رکھے کہ توبہ کرنے

سے خدا کی رحمت خداوندی گناہوں کو معاف کر دیتی ہے۔ جہاں رحمتِ خداوندی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہاں اس کے خوف سے بے نیاز ہونا بھی کفر ہے۔ اللہ کے خوف سے بے نیاز محض کافر ہی ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں پر عذابِ الٰہی ہونا ہوتا ہے، اُن پر ناز و نعمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ یادِ خداوندی سے غافل ہو جائیں اور مغرور ہو جائیں۔ پھر جب اس کی گرفت آتی ہے تو اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

## ایمان و خوف کی اہمیت :

ایمان تو امید اور خوف کے درمیان ہے۔ امید کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اگر یہ سُن لیا جائے کہ جنت میں محض ایک ہی آدمی داخل ہونا ہے تو یہ اُمید رکھے کہ میں ہی جنتی ہوں گا اور اگر یہ سُنے کہ دوزخ میں ایک ہی شخص ہوگا۔ تو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں گا۔

ع آنہا کہ خواص درگہہ تکریم اند      دہشت زدگاں عالم تسلیم اند
نومید مشو کہ رحمت حق عام است      مغرور مشو کہ خاصگاں در بیم اند

بزرگانِ دین کا مقولہ ہے کہ زندگی میں خوفِ خداوندی کا غلبہ ہونا چاہیے لیکن رحلت کے وقت رحمت خداوندی کا امیدوار ہونا چاہیے۔ سعادت کی علامت یہی ہے۔ اور الایمان بین الخوف والرجا میں یہی اشارہ ہے۔ اعلموا ان اللہ شدید العقاب واللہ غفور رحیم۔

الحمد للہ یہ کتاب رحمت خداوندی اور امیدِ مغفرت پر ختم ہو